فقہائے سبعہ

شیخ الحدیث مولانا محمدؒ اسحاق مدظلہ

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
شیش محل روڈ ○ لاہور

فقہائے سبعہ

شیخ الحدیث مولانا حافظ محمدؐ اسحاق مدظلہ

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
لاہور ○ پاکستان

ناشر: اسلامک پبلشنگ ہاؤس
۳- شیش محل روڈ لاہور

طابع:

طبع اوّل: مارچ ۱۹۷۹ء
تعداد: ۱۱۰۰
قیمت: ۱۲/- روپے

فہرستِ موضوعات

عرضِ ناشر

خلافتِ راشدہ کے عہدِ مبارک میں امتِ مسلمہ کی رہنمائی —— زندگی کے ہر گوشہ میں مکمل رہنمائی —— خود امیر المومنین رضؓ انجام دیتے تھے یا ان کے نامزد عُمّال اور نائبین، مملکت کے اعلیٰ مناصب پر فائز یہ ذی صلاحیت حضرات امورِ سیاست کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے اور دینی معلومات کے اعتبار سے بھی قیادت و سیادت کی پوری اہلیت اپنے اندر رکھتے تھے لہٰذا مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے سلسلہ میں اپنے امراء و عمال کے اندر کسی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ خلافتِ راشدہ کے بعد اموی اور عباسی حکومتوں کے اربابِ سیاست ملک گیری و جہانبانی کی صفات سے تو بخوبی متصف تھے مگر دین کے اوامر و نواہی اور حدودِ حلال و حرام کا اتنا جامع علم نہیں رکھتے تھے کہ اُمّتِ مسلمہ اس پہلو سے بھی اُن پر اعتماد کرتی۔

اس خلا کو پُر کرنے کے لیے صحابہ کرام رضؓ کے تربیت یافتگان میں سے جلیل القدر تابعینؒ کا ایک ایسا گروہ آگے بڑھا جس نے اپنے اخلاص وللہیت، گہرے علم کتاب وسنّت اور شواہد و نظائرِ خلافتِ راشدہ سے مکمل واقفیت کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار میں بھی اتنا اُونچا مقام حاصل کر لیا کہ پوری ملّتِ اسلامیہ کی نگاہیں ان پر مرتکز ہونے لگیں اور زندگی کے عمومی مسائل و معاملات میں رہنمائی کے لیے انہی کی طرف رجوع کیا جانے لگا —— اسلامی تاریخ میں تابعین کے اس گروہ کو "فقہائے سبعہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ؎

اذا قیل مَن فی العلم سبعۃُ ابحرٍ — روایتھم لیست عن العلم خارجہ
فقُل ھم عبیداللہ، عروۃ، قاسم — سعیدٌ ابوبکرٍ سلیمانُ خارجہ[1]

تابعینؒ عظام میں سے یہ وہ سات عظیم شخصیتیں ہیں جن کے فرمودات و فتاویٰ پر عالم اسلام

---

[1] جب کہا جائے کہ علم کے وہ سات سمندر کون سے ہیں جن کی روایات علم کتاب وسنّت سے تہی دامن نہیں ہوتیں تو کہہ دے ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں حضرت عبیداللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابوبکر، سلیمان اور خارجہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ۱۲

کے جملہ اہلِ علم انحصار کرتے رہے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اس لیے کہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول کا علم جو امّت میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آیا ہے اس کا بہت بڑا حصّہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے انہی مبارک لوگوں کے ذریعے اخلاف تک پہنچا۔ بعض اہلِ علم نے متذکرۃ الصدر سات فقہاء میں دو اور بزرگوں کو بھی شامل کیا ہے ان کے اسمارِ گرامی یہ ہیں۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمان رضؓ بن عوف اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ۔ چنانچہ ہم نے آخر میں ان دونو بزرگوں کے حالات بھی درج کر دیئے ہیں —— اس طرح زیرِ نظر مجموعہ اپنے موضوع پر تقریباً مکمّل مواد پیش کرتا ہے۔

"فقہائے سبعہ" کے حالات کی جمع و تدوین کا کام شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق مدظلّہ نے کیا ہے۔ موصوف نے اپنے وقت کے اساتذہ حضرت مولانا عبدالجبار رحؒ کھنڈیلوی اور علاّمہ سید محمد طلحہ رحؒ ٹونکی اور محترم حضرت حافظ محمد گوندلوی مدظلّہ العالی سے علمِ دین حاصل کیا بعد ازاں اپنے آپ کو قرآن و سنّت کے علوم ہی کی تعلیم و تدریس کے لیے وقف کر ڈالا۔ آج کل بھی آپ دارالعلوم تقویۃ الاسلام المعروف بہ مدرسہ غزنویہ لاہور میں بحیثیت صدر مدرس تعلیمِ کتاب و سنّت میں مصروف ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اس مختصر مگر نہایت وقیع کتابچہ میں ہمارے قارئین کو بہت سی کام کی چیزیں ملیں گی۔ ابتدائے عمر میں علمِ دین کے حصول کی تڑپ، صلحاء و فضلاء کی ہمنشینی کا شوق، اخلاقِ حمیدہ، عظیم سیرت و کردار، علمی نکات، دلچسپ اور سبق آموز واقعات اور وہ سب کچھ جو تابعینؒ کو صحابہ رضؓ کرام کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوا —— اور جسے معلوم کرنے کی ہمیں بھی ضرورت ہے خصوصاً ہماری نوجوان نسل کو۔ تاکہ اس رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر ہم دنیا کو بہترین انسانوں سے روشناس کرا سکیں۔

۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ

منیر احمد
مینجنگ ڈائرکٹر
اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور

۱۔ حضرت سعید بن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:۔ آپ کا نام سعید بن المسیب، ابو محمد کنّیت اور فقیہہ الفقہاء لقب تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کی خلافت کے تیسرے سال مدینہ طیبہؔ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد المسیب کو شرفِ صحبت حاصل تھا اور دوسرے صحابہ کے ساتھ بیعت الرضوان میں شریک تھے۔ ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ ان سے سات احادیث مروی ہیں، دو متفق علیہ ہیں۔ اور ایک میں امام بخاریؒ منفرد ہیں۔ ابو طالب کی وفات کی حدیث کے یہی راوی ہیں[۱]۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے علاوہ ابیؓ بن کعب اور ابو سفیان سے استفادہ کیا ہے۔ ان سے ان کے صاحبزادے سعید ہی روایت کرتے ہیں۔ آپ کے دادا حزن بھی صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور جنگِ یمامہ میں بھی شریک ہوئے[۲]۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگے میرا نام حزن ہے۔ آپ نے فرمایا یہ نام بدل کر اپنا نام سہل رکھ لو۔ حزن کے معنے سخت زمین ہے۔ جس سے درشتی اور ناہمواری ٹپکتی ہے۔ اور سہل نرم زمین کو کہتے ہیں، اس میں رفق اور نرمی کی طرف اشارہ ہے۔ بولے اپنے باپ کے رکھے ہوئے نام کو بدلنا نہیں چاہتا۔ نیز یہ بھی ہے کہ نرم کو ہر ایک دبا لیتا ہے اور بے آبرو کر ڈالتا ہے۔ سعید کہتے ہیں میرے خیال میں شاید اسی وجہ سے ہمارے خاندان میں خشونت اور درشتی پائی جاتی ہے[۳]۔ ان کے بیٹے مسیّب ہی روایت کرتے ہیں۔ یہ ان دونوں (باپ، بیٹا) کے فیض صحبت ہی کی برکت ہے کہ ان کے لختِ جگر امام سعیدؒ کو علم شریعت میں وہ بلند مقام حاصل ہوا کہ اُمت نے بالاتفاق انہیں سرتاجِ تابعین تسلیم کر لیا۔

اساتذہ

چونکہ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہے۔ اس لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور صحابیات

---

[۱] تہذیب الاسماء واللغات للنووی ص ۹۵ ج ۲

[۲] الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ص ۷ ج ۲

[۳] سنن ابی داؤد ص ۶۷۷ و مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۶

سے آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہے مندرجہ ذیل صحابہ کرام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابو ذرؓ، ابوالدرداءؓ، حسان بن ثابتؓ، حکیم بن حزامؓ، زید بن ثابتؓ، ابوقتادہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید الخدریؓ، ان کے والد مسیبؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، اسماء بنت عمیسؓ، خولہ بنت حکیمؓ، فاطمہ بنت قیسؓ اور ام سلیمؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے علاوہ بعض تابعین سے بھی آپ نے کسبِ فیض کیا ہے۔

حضرت عمرؓ سے آپ کے سماع میں اختلاف ہے جو دراصل آپ کے سنِ ولادت میں اختلاف کا نتیجہ ہے، ایک روایت میں آپ کی پیدائش حضرت عمرؓ کی شہادت سے صرف دو سال قبل بتائی گئی ہے۔ غالباً اسی روایت کے پیشِ نظر امام مالکؒ، امام ابو حاتمؒ اور واقدی وغیرہ نے حضرت عمرؓ سے سماع کی نفی کی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ فاروق اعظمؓ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے دو سال بعد پیدا ہوئے اور ان کی شہادت کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام الجرح والتعدیل حضرت امام یحییٰ بن معین نے حضرت عمرؓ سے آپ کے سماع کو درست تسلیم کیا ہے۔ اور فرمایا کہ آٹھ سال کا بچہ بہت کچھ یاد رکھ سکتا ہے[۵۴]۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا " سعید بن مسیب کا سماع حضرت عمرؓ سے قابلِ حجت ہے یا نہیں؟ فرمانے لگے ہمارے نزدیک قابلِ حجت ہے انہوں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا اور ان سے سماع کیا ہے اگر سعید عن عمر قبول نہیں ہے تو پھر کون سی سند قبول کی جائے گی[۵۵]۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب میں اپنی صحیح سند سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ سے آپ کے سماع کی تصریح ہے پوری حدیث بیان کرنے کے[۵۶] بعد فرماتے ہیں ھذا الاسناد علی شرط مسلم نیز فرمایا ھذا الاسناد صحیح لا مطعن فیہ

طلبِ علم

سنِ رشد کو پہنچتے ہی آپ کی تعلیم کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس راہ میں آپ نے اس قدر جفاکشی، محنت

---

[۵۴] تہذیب التہذیب ص ۸۵ ج ۴

[۵۵] " " ص ۸۸

[۵۶] " " ص ۸۸ ج ۴

اور جانفشانی کا ثبوت دیا کہ اس کی نظیر آپ کے معاصرین میں شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آئے گی، ایک ایک حدیث کی طلب میں مسلسل کئی کئی دن اور رات سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا آپ کا معمول تھا[۵] معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم سے والہانہ محبت تھی۔ جو آپ کو کشاں کشاں ہر مجلسِ علم میں پہنچا دیتی تھی اور کلمۂ حکمت حاصل کرنے کے لیے ہر وقت بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی پر آمادہ اور مستعد رکھتی تھی۔ یہ اسی طلبِ صادق کا نتیجہ تھا کہ آپ علم و فضل کے اس اونچے مقام پر پہنچے کہ آپ کو بالاتفاق رئیس التابعین تسلیم کر لیا گیا اور فقیہ الفقہاء کے ممتاز لقب سے ملقب ہوئے۔ اس علمی برتری اور تفوق کو دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابی اپنے تلامذہ کو فرمایا کرتے تھے "اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیتے تو آپ انہیں دیکھ کر خوش ہوتے۔"[۸] خود عبداللہ بن عمر رضؓ اپنے والد فاروقِ اعظم رضؓ کے بہت سے فیصلہ جات اور دیگر امور کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے[۹] ایک دفعہ آپ سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ سعید سے پوچھو اور پھر مجھے آکر اطلاع دو۔ اس نے ایسا ہی کیا، فرمانے لگے میں نے نہیں کہا تھا یہ ایک نادرۂ روزگار عالم ہیں[۱۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے فیصلہ جات کا جتنا علم انہیں تھا کسی دوسرے کو نہیں تھا۔ خود فرماتے ہیں۔ مابقی احد اعلم بکلّ قضاء قضاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکلّ قضاء قضاہ ابوبکر وکلّ قضاء قضاہ عمر وفی روایۃ وکلّ قضاء قضاہ عثمان منّی[۱۱]

حضرت عمر رضؓ کے فیصلہ جات اور احکام کے حفظ و ضبط کا جو اہتمام آپ نے کیا کسی دوسرے نے کم ہی کیا ہوگا یہی وجہ ہے کہ آپ کو راویۂ عمر کہا جاتا ہے[۱۲]

اساتذہ کا انتخاب

آپ اساتذہ کے انتخاب میں بے حد محتاط تھے۔ کسی ایسے آدمی سے روایت لینا پسند نہیں کرتے تھے جو بلحاظ اصول و ضوابطِ محدثین پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ہو۔ صرف اسی

---

[۷] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۲ ج ۱ و البدایہ والنہایہ ص ۱۰۰ ج ۹ [۸] ابنِ خلکان ص ۲۰۶ ج ۱ [۹] تہذیب التہذیب ص ۸۶ ج ۴ [۱۰] ابن خلکان ص ۲۰۶ ج ۱ [۱۱] تہذیب التہذیب ص ۸۶ ج ۴ [۱۲] تہذیب التہذیب ص ۸۹ ج ۴۔

شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔ جو حفظ و اتقان اور ثقاہت و عدالت میں اونچے مرتبہ پر فائز ہوتا تھا۔ یزید بن ابی مالک کہتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی، میں نے پوچھا اے ابو محمد یہ حدیث آپ نے کس سے لی ہے؟ فرمانے لگے اے شامی پڑھنے کی فکر کرو اور یہ مت پوچھو، ہم بجز ثقات کسی سے روایت نہیں لیتے [13]

حافظہ

آپ کی یادداشت نہایت قوی اور حافظ بڑا مضبوط تھا ایک دفعہ کی سُنی ہوئی بات دل میں اس طرح نقش ہو جاتی تھی جیسے پتھر پر لکیر خود فرماتے ہیں میں نے جو کچھ اپنے دل کے سپرد کیا۔ اس نے اس میں میری کبھی خیانت نہیں کی [14]

علم و فضل

اس مسلسل جد و جہد اور لگاتار سعی و عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ علم کے ایک بحرِ بیکراں بن گئے آپ کے علمی تفوق، ریاضت و عبادت اور زہد و ورع کا مخالف و موافق اور دوست و دشمن سب نے اقرار کیا ہے اور تو اور خود صحابہ کرام رض اور تابعینؒ عظام تک آپ کے علم و فضل کے معترف اور مداح تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض فرماتے ہیں: انہ احد العلماء [15] کبھی فرمایا واللہ احد المتقین [16] فقیہ شام امام مکحول فرماتے ہیں "میں طلبِ علم کے لیے تمام دنیا میں پھرا، مگر سعید بن مسیب سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا" [17] حضرت قتادہ کا بیان ہے "میں نے امام حسن بصریؒ کا دوسرے علماء سے موازنہ کیا تو انہیں علم میں سب سے بڑھا ہوا پایا" مگر اس قدر نور علم کے باوجود جب انہیں علمی اشکال پیش آتا تو اس کے حل کے لیے سعید بن مسیب کی طرف رجوع کیا کرتے تھے [18]۔ امام علی ابن مدینی فرماتے ہیں۔ میں تابعین میں کوئی ایسا شخص نہیں جانتا جس کا علم سعید بن مسیب جتنا وسیع ہو" آپ میرے نزدیک تابعین میں ایک جلیل القدر شخصیت کے مالک ہیں، جب آپ فرما دیں کہ سنت اس طرح

---

[13] تہذیب التہذیب ص ۸۷ ج ۴

[14] طبقات ابن سعد ص ۸۷

[15] ابن خلکان ص ۲۰۶ ج ۱

[16] ابن خلکان ص ۲۰۶ ج ۱

[17] البدایہ والنہایہ ص ۹۹ ج ۹

[18] شذرات الذہب ص ۱۰۳ ج ۱

ہے تو یہ اس کی ضمانت کے لیے کافی ہے[19]۔

میمون بن مہران کا بیان ہے میں جب مدینہ منوّرہ آیا اور وہاں کے سب سے بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے مجھے حضرت سعید بن مسیب کے گھر کا راستہ بتایا[20]۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں تابعینؒ میں آپ سے بڑھ کر سمجھ دار کوئی نہیں ہے۔ آپ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی احادیث تمام تابعینؒ سے زیادہ صحیح بیان کرتے تھے اور ان کے داماد بھی تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ دکان وسیع العلم وافر الحرمۃ متین الدیانۃ قوالًا بالحق فقیہ النفس۔ علم میں وسعت، بے پناہ احترام، دیانت میں پختگی، حق کا برملا اعلان اور فقاہت نفس آپ کے ممتاز صفات تھے[21]۔

امام نووی فرماتے ہیں۔ امامت، جلالت قدر، علم وفضل اور تمام نیک اعمال اور خصال حسنہ میں آپ کے تقدم وتفوق میں جملہ علماء کا اتفاق ہے[22]۔ رأس التابعین حضرت قتادہ، امام مکحول اور امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں۔ ہم نے سعید بن مسیب سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا[23]۔ امام مکحول کو جب آپ کی وفات کی اطلاع ملی تو فرمانے لگے آج سب لوگ علم میں برابر ہو گئے (یعنی جوان میں ممتاز تھا وہ اُٹھ گیا)[24] امام زہری فرماتے ہیں میں نے حضرت سعید بن مسیب کی ہم نشینی میں پورے سات سال بسر کئے۔ میرے خیال میں ان جیسا علم کسی کے پاس نہیں تھا[25]۔

حدیث

علم حدیث آپ کا وہ مخصوص فن ہے جس کی تحصیل پھر تدریس وتعلیم میں آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رہا۔ اس سے آپ کی محبت اور وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اس کی ایک ایک روایت جمع کرنے کے لیے آپ نے کئی کئی رات اور دن سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اس فن میں آپ

---

[19] البدایہ ص ۹۹ ج ۹ وتہذیب التہذیب ص ۸۵ ج [20] تہذیب التہذیب ص ۸۴ ج ۴

[21] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۱ ج ۱ [22] تہذیب الاسماء ص ۲۲۰ ج ۱

[23] شذرات الذہب ص ۱۰۳ ج ۱، اور تذکرۃ الحفاظ ص ۵۱ ج ۱ [24] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۲ ج ۱

[25] البدایہ ص ۹۹ ج ۹

کو وہ درک حاصل تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے وسیع العلم صحابی بہت سی چیزوں کے حل میں آپ کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے ۔ اور اپنے تلامذہ اور متعلقین کو ان سے استفادہ کی تلقین کیا کرتے تھے۔ تابعین عظام اور تبع تابعین کے لیے آپ کا حلقہ درس آخری درس گاہ تھا۔ جس سے تشنگی بجھائے بغیر وہ اپنے سرمایۂ علم میں کمی محسوس کیا کرتے تھے ۔

حدیث کا احترام

آپ کی نظر میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر احترام تھا کہ بیماری کی حالت میں جب کہ نماز تک بیمار کو لیٹ کر پڑھنے کی اجازت ہے۔ آپ لیٹے لیٹے حدیث بیان کرنا خلافِ ادب سمجھتے تھے ۔ اگر ضرورت ہوتی تو بہ ہزار دقت بیٹھ کر ہی بیان فرماتے چنانچہ ایک دفعہ آپ بیمار تھے، کسی نے آپ سے ایک حدیث کے متعلق سوال کیا۔ بڑی مشکل سے اُٹھے حدیث بیان کی اور پھر لیٹ گئے ۔ سائل نے کہا حضرت! اتنی تکلیف کی حاجت نہیں تھی، آپ لیٹے لیٹے بیان فرما دیتے ۔ فرمانے لگے مجھے یہ سخت ناپسند ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لیٹ کر بیان کروں[۲۶]۔

فقہ

علم فقہ میں آپ کو وہ بلند مقام حاصل تھا، جو آپ کے زمانے میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ اس فن میں آپ کی مجتہدانہ استعداد اور مہارت کا اندازہ کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ مدینہ منورہ کے شہرۂ آفاق فقہائے سبعہ کے رئیس تھے، جن پر اس دَور میں اور بعد کے اُدوار میں بھی فقہِ اسلامی کا انحصار رہا۔ اسی لیے آپ کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا[۲۷]۔ امام اوزاعی جو خود بہت بڑے فقیہہ تھے فرماتے ہیں کسی نے امام ابن شہاب الزہریؒ اور امام مکحولؒ سے پوچھا کہ جن فقہاء سے آپ کو ملنے اور استفادہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے؟ دونوں بیک زبان بولے ہم نے سعید سے بڑا فقیہہ کوئی نہیں دیکھا[۲۸]۔ امام قتادہؒ کا بیان ہے میں نے حرام و حلال کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی عالم

۲۶؎ البدایہ والنہایہ ص ۱۰۰ ج ۹ ۲۷؎ البدایہ والنہایہ ص ۱۰۰ ج ۹ ۲۸؎ البدایہ والنہایہ ص ۱۰۰، جلد ۹ ۔

نہیں پایا[۲۹]۔ امام زہریؒ کا کہنا ہے مجھے عبداللہ بن ثعلبہ نے کہا کہ اگر علم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس (حضرت سعید بن المسیب) کا دامن پکڑو[۳۰]۔ سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں۔ آپ تابعین میں سب سے بڑے فقیہہ تھے[۳۱]۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں آپ فقہ، دین، تورع، عبادت اور جملہ فضائل میں تابعین کے رئیس تھے، اور فقہائے حجاز میں آپ کا مقام سب سے اونچا تھا[۳۲]۔ عبدالرحمان بن زید بن اسلم کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے انتقال کے بعد تمام اسلامی شہروں میں علم فقہ پر موالی چھا گئے۔ چنانچہ مکہ میں عطاء، یمن میں طاؤس، یمامہ میں یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی، شام میں مکحول اور خراسان میں عطاء خراسانی سند فقہ پر رونق افروز ہوئے۔ صرف مدینہ منورہ میں یہ اعزاز قریش کے مسلمہ امام سعید بن المسیب کے حصہ میں آیا[۳۳]۔

تفسیر

تفسیر قرآن میں بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ ابن العماد حنبلی لکھتے ہیں: ھو من فقھاء المدینۃ جمع بین الحدیث والتفسیر والفقۃ والورع والعبادۃ[۳۴] مگر تفسیر بالرائے سے بہت بچتے تھے۔ یحییٰ بن سعید سے مروی ہے، آپ سے کتاب اللہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو فرمایا میں قرآن میں اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتا[۳۵]۔ اسی احتیاط کی وجہ سے آپ کو بحیثیت مفسر وہ شہرت و ناموری حاصل نہیں ہو سکی جو محدث اور فقیہہ ہونے کی حیثیت سے حاصل تھی۔

افتاء

علوم شریعت اور فقہ اسلامی میں عمیق دسترس اور کامل مہارت کو دیکھ کر لوگ پیش آمدہ مسائل میں فتوے طلب کرنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ آپ نے جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ رضؓ کی موجودگی میں فتوے دینا شروع کر دیا تھا۔ جسے

۲۹؎ تہذیب التہذیب ص ۸۴ ج ۴ ۳۰؎ تہذیب التہذیب ص ۸۴ ج ۴ ۳۱؎ تہذیب الاسماء ص ۲۲۰ ج ۱ ۳۲؎ تہذیب التہذیب ص ۸۷ ج ۴ ۳۳؎ شذرات الذہب ص ۱۰۳ ج ۱ ۳۴؎ شذرات الذہب ص ۱۰۳ ج ۱ ۳۵؎ طبقات ابن سعد ص ۱۶۴ ج ۸ (اردو ایڈیشن)

بڑا مستند اور لائقِ اعتماد سمجھا جاتا تھا اس عہد کے بعد تو یہ شعبہ گویا آپ سے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں۔

کان راس من بالمدینۃ فی دھرہ والمقدم علیھم فی الفتوی	آپ اپنے زمانے میں اہلِ مدینہ کے رئیس اور شعبۂ افتاء میں ان سب پر مقدم تھے۔[۳۶]

امام موصوف پر اعتماد کا یہ حال تھا کہ جب عبداللہ بن عمرؓ سے کوئی مشکل مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے سعید سے پوچھو انہیں صالحین کی رفاقت اور ان سے صحبت کا شرف حاصل رہا ہے۔[۳۷] حضرت عمر بن عبدالعزیز تو آپ سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کو بڑی عزت اور احترام سے دیکھتے تھے۔ ایک دفعہ کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کسی شخص کو آپ کی خدمت میں بھیجا وہ آپ کو بلا لایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز دیکھتے ہی معذرت کرنے لگے کہ میں نے آپ کو یہاں آنے کی تکلیف نہیں دی تھی۔ یہ قاصد سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے تو صرف آپ سے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے کہا تھا۔[۳۸] یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے، مدینہ منوّرہ کا ہر عالم اپنا علم لے کر میرے پاس آتا ہے مگر سعید بن مسیب کبھی نہیں آئے۔ میں ان کے علم کو اپنے پاس لانے کی خود سعی کرتا ہوں۔[۳۹]

تعبیرِ خواب

علوم شریعت میں تفوق و برتری کے ساتھ ساتھ علم تعبیرِ رؤیا میں بھی آپ کو کافی درک تھا۔ خواب کا ایسا محیر العقول مطلب بیان کرتے تھے کہ بظاہر اس میں اور خواب میں کوئی وجہ مطابقت نظر نہیں آتی تھی۔ مگر تعبیر وہی ظاہر ہوتی جو آپ بیان فرماتے تھے۔ یہ فن آپ نے حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ سے اور انہوں نے اپنے والد صدیق اکبرؓ سے حاصل کیا تھا۔[۴۰]

---

[۳۶] طبقات ابن سعد ص ۹۰ ج ۵ [۳۷] طبقات ابن سعد ص ۹۰ ج ۵ [۳۸] ایضاً ص ۱۰۴ ج ۵ [۳۹] ایضاً ص ۹۰ ج ۵ [۴۰] ایضاً ص ۹۰ ج ۵

چند خواب اور ان کی تعبیرات ملاحظہ فرمائیے ۔

۱۔ ایک شخص نے آپ سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے ہی ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں ۔ آپ نے فرمایا خدا سے ڈرو، تمہارے نکاح میں کوئی ایسی عورت ہے جس سے تمہارا نکاح کسی صورت جائز نہیں ۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ واقعی اس کے نکاح میں ایسی عورت تھی جو دودھ شریک ہونے کی وجہ سے اس پر حرام تھی[۴۱]

۲۔ ایک شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار دفعہ مسجد نبوی کے محراب میں پیشاب کیا ہے اس نے حضرت سعید سے عرض کیا فرمانے لگے اگر تمہارا یہ خواب صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عبدالملک کی پشت سے چار خلیفے پیدا ہوں گے[۴۲] ۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ خواب خود عبدالملک نے دیکھا کہ اس نے مسجد کے چاروں کونوں میں چار دفعہ پیشاب کیا ہے ، اس نے اس کی تعبیر حضرت سعید سے پچھوا بھیجی تو آپ نے فرمایا اس کے چار بیٹے مسند خلافت پر بیٹھیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ، اس کے چار لڑکے ولید ، سلیمان ، ہشام اور یزید یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے[۴۳]

۳۔ کسی نے پوچھا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کبوتری مسجد کے مینار پر بیٹھی ہے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ حجاج بن یوسف ، عبداللہ بن جعفر کی بیٹی سے شادی کرے گا[۴۴]

یہی خواب تعبیر رؤیا کے ایک خاص ماہر امام ابن سیرین سے کسی نے ان الفاظ میں بیان کیا ۔ میں نے ایک سفید رنگ کی حسین و جمیل کبوتری مسجد کے کنگرے پر بیٹھی دیکھی اس پر ایک باز جھپٹا اور پنجوں میں دبوچ کر اڑ گیا ۔ امام موصوف نے کہا اگر تم سچ کہتے ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ حجاج ، عبداللہ بن جعفر کی لڑکی سے شادی کرے گا ۔ جب حجاج نے اس لڑکی سے شادی کر لی تو کسی نے امام صاحب سے پوچھا آپ نے اس خواب سے یہ نتیجہ کیسے نکالا ۔ بولے سفید کبوتری سے حسین و جمیل عورت اور کنگرے سے

---

[۴۱] طبقات ابن سعد ص ۹۲ ج ۲ [۴۲] ایضاً ص ۹۱ ج ۲ [۴۳] شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۷

[۴۴] طبقات ابن سعد

شرافت نسب مراد ہے۔ میں نے مدینہ طیبہ میں عبداللہ کی بیٹی سے زیادہ حسین اور شریف النسب کوئی عورت نہیں دیکھی اور باز سے ظالم بادشاہ مراد ہے اور حجاج سے بڑھ کر زیادہ ظالم کوئی دیکھنے میں نہیں آیا[۴۵]

۴۔ ایک شخص نے کہا میں نے نیند میں اپنے آپ کو آگ میں گھستے دیکھا ہے آپ نے فرمایا اگر یہ صحیح ہے تو تم سمندر میں داخل ہو گے اور تمہاری موت بذریعہ قتل ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا، اسے سمندری سفر پیش آیا جس سے وہ بمشکل بچا اور بالآخر قدید کی جنگ میں مارا گیا[۴۶]

۵۔ ایک شخص نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک نر بکرا بھاگا آرہا ہے اور کہہ رہا ہے ذبح کرو ذبح کرو۔ ایک آواز آئی ذبح کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سمجھو ابن صلاء مرگیا ہے اس پر کچھ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اطلاع آئی کہ ابن صلاء مرگیا ہے۔ ابن صلاء اہل مدینہ کا غلام تھا۔ جو حکام کے پاس لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا اور بلا وجہ ان کو پریشان کیا کرتا تھا[۴۷]

۶۔ حصین بن عبداللہ کا بیان ہے کہ خواہش کے باوجود میرے گھر اولاد نہیں ہوئی تھی ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں انڈے پڑے ہیں۔ میں نے حضرت سعید سے عرض کیا۔ بولے مرغی زیادہ تر عجم میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے تم عجم میں شادی کا بندوبست کرو۔ چنانچہ میں نے عجم سے ایک لونڈی خریدی جس سے میرے گھر اولاد ہوئی[۴۸]

۷۔ ایک شخص نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے عبدالملک کو منہ کے بل گرا کر اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ خواب تم نے نہیں دیکھا وہ بولا کیوں نہیں۔ میں نے ہی دیکھا ہے آپ نے کہا جب تک سچ نہیں کہو گے، میں اس کی تعبیر نہیں بتاؤں گا۔ بولا یہ عبداللہ بن زبیرؓ نے دیکھا ہے اور اسی نے

---

[۴۵] شذرات الذہب ص ۱۰۶ ج ۱ [۴۶] شذرات الذہب ص ۱۰۶ ج ۱ [۴۷] شذرات الذہب ص ۱۰۶ ج ۱ [۴۸] ایضاً

مجھے تعبیر پوچھنے کے لیے بھیجا ہے فرمانے لگے اگر ان کا یہ خواب درست ہے تو عبد الملک انہیں قتل کر دے گا۔ اور اس کی پشت سے چار خلیفے پیدا ہوں گے [۴۹]

عموماً آپ کی عادت تھی جب کوئی آپ سے خواب بیان کرتا تو فرماتے آپ نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ آپ کا کہنا ہے خواب میں چھوہارا دیکھنے سے اور خرما دیکھنے سے کھجور کی کٹائی کے وقت کشادگی رزق مراد ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے خواب کی تعبیر ظاہر ہونے کی آخری رات چالیس سال ہے، اور پاؤں میں بیڑی دیکھنا دین میں استحکام اور ثابت قدمی کی علامت ہے۔

عبادت

عبادت و ذکرِ الٰہی سے آپ کو بے حد رغبت اور محبت تھی، اگر دنیا میں ان کے لیے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک مہیا کرنے والی کوئی چیز تھی تو وہ یہی عبادت تھی۔ گھنٹوں اور پہروں ذکر و فکر میں مشغول رہنا آپ کا معمول تھا۔ سخت مصیبت اور ابتلا کے وقت بھی اس معمول میں فرق نہیں آتا تھا۔

شب خیزی

رات کی عبادت سے خصوصی شغف اور لگاؤ تھا، رات آتی تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے۔

قومی یا مأوی کل
شر واللہ لادعنک
تزحفین زحف
البعیر فکان یصبح
وقدماہ تنتفخان فیقول
لنفسہ بہذا امرت
ولہذا خلقت [۵۰]

اے ہر برائی کے سرچشمہ اُٹھ! بخدا! میں تجھے اس اونٹ کی طرح کر چھوڑوں گا جو بھاری بوجھ اور کثرتِ سفر کی وجہ سے تھک کر چور ہو جاتا ہے اور چلنے کے قابل نہیں رہتا۔ پھر رات بھر نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں متورّم ہو جاتے، صبح کو اپنے نفس کو خطاب کر کے فرماتے، تجھے یہی حکم ہے اور اسی کے لیے تو پیدا ہوا ہے۔

---

۴۹ طبقات ابن سعد ص ۱۹۱ ج ۵ ۵۰ طبقات ابن سعد ص ۱۹۴ ج ۸ (اردو ایڈیشن)

شب بیداری اور رات کی نماز کے ذوق و شوق کی انتہا یہ ہے کہ متواتر پچاس سال تک آپ نے عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز ادا کی[۵۱]۔

نماز باجماعت کا اہتمام

آپ نماز باجماعت کے بڑے پابند تھے۔ اس کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ سالہاسال تک ایک مرتبہ بھی جماعت سے پیچھے نہیں رہے۔ خود فرماتے ہیں چالیس سال سے میرا معمول یہ ہے کہ ایک فرض نماز بھی میں نے جماعت کے بغیر نہیں پڑھی۔ تیس سال سے تو عادت ہے کہ میں اذان سے پہلے ہی مسجد میں پہنچ جاتا ہوں[۵۲]۔ ایک روایت میں ہے پچاس سال میں ایک دفعہ بھی مجھ سے تکبیر اُولیٰ فوت نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے کبھی کسی کی پیٹھ دیکھی ہے۔ یعنی ہمیشہ پہلی صف میں جگہ لی ہے[۵۳]۔ جماعت کی پابندی آپ نے اس وقت بھی نہیں چھوڑی جب ولید اور سلیمان پسران عبدالملک کی بیعت کا معاملہ درپیش تھا اور خلیفہ نے بجبر بیعت لینے کے لیے حاکم شہر کو ہر طرح کے تشدد کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی فقہائے مدینہ نے (جو جانتے تھے کہ انکار کی صورت میں آپ کا مبتلائے مصیبت ہونا یقینی ہے) اس ابتلاء سے بچانے کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی کہ آپ چند دن کے لیے مسجد میں آنا بند کردیں، گورنر آپ کو موجود نہ پاکر خواہ مخواہ گھر سے بلانے پر اصرار نہیں کرے گا۔ مگر آپ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر ٹھکرادیا کہ میں مؤذن کی آواز حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الفلاح سن کر گھر نہیں بیٹھ سکتا۔ چنانچہ آپ مسجد میں گئے اور گورنر کے اصرار کے باوجود بیعت سے انکار کے جرم میں پچاس بید کی سزا بطیب خاطر قبول کر لی[۵۴]۔ مسجد میں نماز پڑھنا آپ نے اس وقت بھی نہیں چھوڑا جب حرہ کی لڑائی میں شامی فوجوں نے مدینہ طیبہ میں تین دن تک اس قدر قتل و غارت کا بازار گرم کیا کہ لوگ جان کے خوف سے گھروں میں دبکے پڑے تھے اور کوئی باہر نکلنے کی جراُت نہیں کرسکتا تھا۔ تمام مسجدیں ویران اور سنسان پڑی تھیں۔ صرف حضرت سعید بن المسیب ہی واحد شخص تھے۔ جنہوں نے اس فتنۂ عظیم میں بھی مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ

---

[۵۱] الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۲۶ ج ۱ صفۃ الصفوۃ ص ۴۴ ج ۲ طبقات کبریٰ شعرانی ص ۲۶ ج ۱ [۵۲] طبقات کبریٰ ص ۲۶ ج ۱ [۵۳] شذرات ص ۱۰۳ ج ۱ [۵۴] ابن خلکان ص ۲۰۷ ج ۱

وآلہ وسلم) کو نہیں چھوڑا نماز کے وقت حجرہ مقدسہ سے ایک غیر مفہوم آواز سنتے تھے جو اذان کا کام دیتی تھی اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھ لیتے تھے۔[۵۵]

روزہ

روزہ سے بھی آپ کو بڑی رغبت تھی، بھلا اس عبادت سے جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال سے تعبیر فرمایا ہے (الصوم جُنّة) آپ کیسے بے التفاتی کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ایامِ تشریق اور عیدین کو چھوڑ کر سارا سال روزہ رکھتے تھے۔[۵۶] مگر آپ کے تورع اور احتیاط کا یہ حال تھا کہ گھر سے شربت یا پانی منگوا کر روزہ کھولتے تھے حتیٰ کہ رمضان المبارک میں جو شربت وغیرہ مسجد میں لایا جاتا ہے اس سے روزہ افطار نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی وقت گھر سے کوئی چیز نہ آتی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد گھر جا کر ہی پانی پیتے۔[۵۷]

حج

حج سے آپ کی وابستگی اور محبت بھی کسی دوسری عبادت سے کم نہ تھی۔ تقریباً ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ صرف اسی صورت میں آپ سے حج فوت ہوتا تھا، جب حکومت وقت آپ پر کسی طرح کی پابندی لگا دیتی تھی۔ ابن العماد حنبلی کی روایت کے مطابق آپ نے تقریباً چالیس حج کیے۔[۵۸]

زہد و تورع

آپ بہت بڑے پرہیزگار اور حد درجہ متورع تھے۔ کسی ایسی چیز کو اپنے قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ جس کی حلت میں ذرا بھی شک یا تردد ہوتا تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

کان سعید من	امام سعید سب سے بڑے پرہیزگار تھے۔
اورع الناس فیما یدخل	اپنے پیٹ میں اور گھر میں کوئی ایسی چیز داخل
بطنہ وبیتہ فکان من	نہیں کرتے تھے جس کی حلت محلِ نظر ہوتی تھی۔

---

[۵۵] شذرات الذہب ص ۱۰۲ ج ۱ [۵۶] صفۃ الصفوۃ ص ۴۰ ج ۲ [۵۷] طبقات ابن سعد ص ۱۹۲، ج ۵ [۵۸] شذرات ص ۱۰۳ ج ۱

ازھد الناس فی فضول الدنیا والکلام فیما لایعنی [59]

دنیا کی فضولیات اور بے فائدہ کلام سے بہت اجتناب کرتے تھے۔

اسی بے مثال زہد اور دنیا سے کمال بے رغبتی کا کرشمہ تھا کہ آپ کسی سے نذرانہ یا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ کو بیت المال سے اپنا حق لینے میں بھی تامل ہوتا تھا۔ چنانچہ عمران روایت کرتے ہیں کہ بیت المال میں بھی آپ کے حصے کے انتالیس ۳۹ ہزار درہم باقی تھے آپ کو بلایا جاتا مگر آپ انکار کرتے اور فرماتے مجھے ان کی حاجت نہیں تاوقتیکہ اللہ تعالےٰ میرے اور بنو مروان کے درمیان فیصلہ نہ کردے [60]۔ آپ کے تورع اور احتیاط کی حد یہ تھی کہ مسجد میں آنے والے شربت سے روزہ افطار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ گھر سے پانی یا شربت منگوا کر پیتے تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں ایک دفعہ آپ اپنے غلام پر دو اڑھائی آنے ضائع کرنے کی وجہ سے خفا ہو رہے تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی نے سُنا تو اسے انتہائی فقر پر محمول کیا لہٰذا گھر جاتے ہی چار ہزار روپے کی خطیر رقم آپ کے پاس بھیج دی۔ مگر آپ نے شکریہ کے ساتھ وہ پوری رقم واپس کردی اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا [61]

عمران بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپ کسی سے کوئی درہم و دینار قبول نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ دوسروں کے گھر سے پانی پینے سے بھی انکار کر دیتے تھے [62]

ذریعہ معاش

بیشتر ائمہ دین کی طرح آپ کا بھی ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اس سے آپ کو خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ جس کی بدولت آپ امراء و سلاطین کے نذرانوں اور تحائف سے قطعاً بے نیاز تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی کسی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے بازوئے ہمت سے قوت لایموت حاصل کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی اہلِ علم کے لیے عبرت آموز اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

کان لایاخذ العطاء وکانت لہ

آپ بیت المال سے اپنا عطیہ نہیں لیتے

---

[59] البدایہ والنہایہ ص ۱۰۰ ج ۹ [60] طبقات ابن سعد ص ۹۵ ج ۵ [61] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۶ ج ۲

[62] ایضاً ص ۱۶۷ ج ۲

بضاعة اربعمائة دينار وكان يتجر في الزيت ٦٣

تھے۔ بلکہ چار سو دینار (تقریباً ایک ہزار روپیہ) کے سرمایہ سے تیل کا کاروبار کرتے تھے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ آپ سیزن آنے[٦٤] میں زیتون کا تیل اور جانوروں کا چارہ جمع کر لیتے تھے۔ جس سے آپ کو معقول نفع ہو جاتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے جو شخص اپنے جسم کی پرورش، دین کی اشاعت اور حفاظت اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے لیے مال جمع نہیں کرتا اس میں کوئی خوبی نہیں ٦٥

آپ نے اس مقدس اور پاکیزہ تعلیم کا عملی نمونہ اس طرح پیش کیا کہ آپ درس و تدریس، ریاضت و عبادت اور ذکر و فکر سے وقت بچا کر کاروبار کیا کرتے تھے۔ خرید و فروخت کے لیے اکثر بازار جاتے اور کاروباری لوگوں کی طرح اپنے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے کسب حلال حاصل کرنے کی جد و جہد فرماتے تھے۔ آپ اس تجارت سے کافی خوشحال ہو گئے تھے۔ اور آپ کا شمار آسودہ حال دولت مندوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے اپنی صاحبزادی کی شادی ایک نادار اور مفلس طالب علم سے کر دی تو خانگی ضروریات پورا کرنے کے لیے پانچ ہزار اور ایک روایت کے مطابق بیس ہزار روپے سے اس کی اعانت فرمائی ٦٦

آپ کی یہ فیاضی اور دریا دلی، اپنی بیٹی اور داماد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ کے مال سے یگانے اور بیگانے برابر فیضیاب ہوتے تھے۔ مال دنیا جمع کرنے کے متعلق آپ اپنا عذر بارگاہِ الٰہی میں ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں۔ پڑھیئے اور اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کیجئے۔

اللهم انك تعلم
اني لم امسكه بخلا ولا
حرصا عليه ولا لحبه

خدایا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ مال بخل اور حرص و آز کے داعیہ سے مجبور ہو کر جمع نہیں کیا اور نہ اسے دنیا کی محبت اور حصولِ شہوات کا ذریعہ بنایا۔

---

٦٣ البدایہ ص ١٠٠ ج ٩ ٦٤ جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ص ٢٥٢ ج ٢ ٦٥ طبقات کبریٰ للشعرانی ص ٢٦ ج ١ ٦٦ البدایہ والنہایہ ص ١٠٠ ج ٩

للدنیا ولا نیل شھواتھا	ہے۔اس سے میری غرض فقط اپنے آپ کو بنو مروان
انما ارید ان اصرف	کے ہاں دستِ سوال دراز کرنے سے اور اظہارِ
بھا وجھی عن بنی مروان	نیازمندی کی ذلّت سے بچانا ہے۔ حتیٰ کہ میں تجھ
حتی القی الیک	سے آملوں اور تو میرے اور ان کے درمیان اپنا فیصلہ
فتحکم فی و فیھم و	صادر فرما دے، نیز اس سے میری غرض یہ ہے کہ
ان اصل منہ رحمی	میں اس کے ذریعہ اپنے عزیزوں کی خبرگیری کروں
واؤدی منہ الحقوق التی	اور وہ تمام حقوق ادا کروں جو اس میں میرے ذمہ عائد
فیہ واعود منہ علی	ہوتے ہیں۔ میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ
الارملۃ والفقیر والمسکین	بے کس فقیروں، مسکینوں لاوارث یتیموں اور بے بس
والیتیم والجار ۶۷	پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کروں۔

اللہ اللہ! کس طرح ایک سچے اور مخلص مسلمان کے دل میں اپنا مال صرف کرنے کے لیے ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ موجزن رہتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اسے کبھی بے راہ نہیں ہونے دیتا بلکہ ٹھیک ادائے حقوق میں اور دیگر صحیح مداتِ صرف میں دولت خرچ کرنے کے لیے برابر اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

جملہ مسلمانوں کو عموماً اور اہل علم کو خصوصاً جو کسب حلال کے وسائل اختیار کرنے کی بجائے پوری زندگی دوسروں کے دست نگر اور ان کے پس خوردہ پر انحصار کیے ہوتے ہیں۔ اور اس طرح علماء کی تضحیک و تذلیل کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ امام موصوف کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے اور اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اللھم اکفنا بحلالک عن حرامک واغننا بفضلک عن من سواک

کفایت شعاری اور مال کی حفاظت

دولت مند اور فارغ البال ہونے کے باوجود آپ ہمیشہ سادہ اور کفایت شعاری کی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ پر تکلف خوراک اور قیمتی لباس میں مال صرف کرنے سے اجتناب

---

۶۷ البدایہ والنہایہ ص ۱۰۱ ج ۹

فرمایا کرتے تھے اور اس کا التزام ساری زندگی رہا۔ چنانچہ ابوامیہ اسلم فرماتے ہیں۔

جب ایک دفعہ حاکم مدینہ ہشام بن اسماعیل نے آپ کو قید کر دیا تو آپ کی صاحبزادی نے آپ کے لیے بڑا پُر تکلّف کھانا تیار کیا اور کافی مقدار میں جیل بھجوایا۔ یہ دیکھ کر آپ نے مجھے بلایا اور کہا گھر جاؤ اور میری بیٹی سے کہو آیندہ اس قسم کا کھانا مت بھیجے۔ ہشام کی یہی تو خواہش ہے کہ میرا مال ہلاک ہو جائے اور میں اس کا دست نگر اور نیاز مند بن جاؤں معلوم نہیں قید سے کب نجات ملے اور دوبارہ کاروبار کرنے کے کب لائق ہوسکوں لہٰذا مجھے وہی سادہ اور معمولی کھانا بھیجا کرے جو میں ہمیشہ گھر پر کھایا کرتا ہوں اس کے بعد جب تک آپ جیل میں رہے آپ کی ہدایت کے مطابق معمولی اور سادہ کھانا ہی بھیجا جاتا تھا۔[۵۶۸]

خودداری اور استقلال

جو چیز آپ میں دوسرے بہت سے معاصرین کی نسبت بہت نمایاں نظر آتی ہے، وہ آپ کی بے مثال خودداری اور بے نظیر استقلال ہے جس کی بڑی مقدار آپ کی طبیعت میں موجود تھی، تلون مزاجی اور ہر چڑھتے سورج کی پرستش سے آپ کو انتہائی نفرت تھی۔ اس چیز کو آپ کے غیور مزاج نے کبھی پسند نہیں کیا۔ جو طریقہ ایک بار اپنے لیے اختیار کیا اس پر چٹان کی طرح جم گئے۔ پھر اس کے خلاف دنیا کی کوئی طاقت آپ کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا نہ کر سکی۔ اس سلسلہ میں بارہا آپ کو سخت ترین امتحان سے گزرنا پڑا مگر ہر موقعہ پر کامیابی نے آپ کے قدم چومے اور مخالف قوتوں کو ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمایئے اور یہ جو کسی نے کہا ہے کہ حضرت سعید کی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک مکھی کی جان سے بھی زیادہ بے وقعت تھی۔ اس کی صداقت کا اندازہ کیجئے۔

۱۔ حضرت حسین رضؓ کی شہادت کے بعد بنوامیّہ کی شامی حکومت کے خلاف حجاز میں ایک نئی حکومت قائم ہوئی جس کے سربراہ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ مشہور صحابی تھے، وہ تمام صوبے اور شہر جو بنواُمیّہ سے نالاں تھے اس حکومت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور اس طرح اسلامی حکومت دو متوازی دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ حضرت

---

۵۶۸ طبقات ابن سعد ص ۱۴۹ ج ۵

عبداللہ بن الزبیرؓ نے اپنے زیرِ اثر علاقوں میں اپنے عامل مقرر کیے اور انہیں لوگوں سے اپنے حق میں بیعتِ خلافت لینے کی ہدایات جاری کیں، مدینہ منورہ میں جابر بن اسود کو گورنر بنایا۔ اس نے لوگوں کو حضرت عبداللہ کے حق میں بیعت کرنے کی دعوت دی، تمام لوگ آمادہ ہو گئے اور حضرت عبداللہ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ حضرت امام سعید رح سے کہا گیا تو بولے جب تک تمام اہل اسلام یا کم از کم اکثریت کا ان کی خلافت پر اتفاق نہیں ہو جاتا میں بیعت نہیں کروں گا۔ جابر نے ہر طرح کی ترغیب و ترہیب سے کام لیا مگر امام صاحب کسی طرح نہ مانے اور اپنی بات پر جمے رہے۔ جابر جو نشۂ حکومت سے چور تھا آپ کا یہ اصرار دیکھ کر جھنجلا اٹھا اور امام موصوف کو ساٹھ تازیانے کی سزا دے کر جیل میں ڈال دیا۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو پتہ چلا تو وہ جابر پر سخت ناراض ہوئے اور لکھا۔

ما لنا ولسعيد دعه ہمیں سعید سے کچھ نہیں کہنا ہے انہیں چھوڑ دو اور
ه[۶۹] ان سے کبھی تعرّض نہ کرو۔

اسی جابر نے اپنی چوتھی بیوی کو طلاق دے کر اس کی عدّت گزرنے سے پہلے ہی پانچویں سے شادی کر لی تھی جو شرعاً ناجائز ہے۔ جب امام موصوف کو تازیانے پڑنے لگے تو بولے جابر! چوتھی بیوی کی عدّت گزرنے سے پہلے پانچویں سے شادی کر کے اللہ تعالیٰ کی ایک حد سے تجاوز کے مرتکب ہوئے ہو اور بلاوجہ مجھے زدوکوب کرتے ہو۔ اب جو دل میں آئے کر گذرو مگر یاد رکھو! چند ہی دن بعد تمہیں سخت ناپسندیدہ حالات کا سامنا کرنا ہے۔ چنانچہ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ شکست کھا کر جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ان کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا۔ اور جابر وغیرہ جاتے کہیں نظر نہ آئے۔

۲۔ جب عبدالملک بن مروان نے ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کیا اور ان کے حق میں بیعت لینے کے لیے تمام اسلامی شہروں میں احکام بھیجے تو اس

---

[۶۹] طبقات ابن سعد ص ۱۹۱ ج ۵

حکم کی تعمیل کے لیے حاکم مدینہ ہشام بن اسمٰعیل نے جسے ہر قسم کے تشدد کا اختیار حاصل تھا۔ لوگوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر فقہاء مدینہ سلیمان بن یسار، عروہ بن زبیر اور سالم بن عبداللہ جو آپ کے نظریہ (ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کی بیعت ناجائز ہے) سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں آپ کا مبتلائے مصیبت ہو جانا لازمی ہے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ابتلاء سے بچانے کے لیے آپ کے سامنے مندرجہ ذیل تین تجویزیں پیش کیں اور کہا آپ ان میں سے جس پر چاہیں عمل کر لیں گورنر قبول کرے گا اور خواہ مخواہ آپ سے بیعت لینے پر اصرار نہیں کرے گا۔

(۱) جب حاکم آپ کے سامنے خلیفہ کا فرمان پڑھ کر سنائے تو آپ خاموش رہیں، اور ہاں یا نہ کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت میں نہ لائیں۔

یا

(۲) چند روز کے لیے آپ مسجد میں آنا بند کر دیں۔ جب گورنر آپ کو بلائے گا تو آپ موجود نہ ہوں گے لہٰذا چپ رہے گا۔

یا

(۳) مسجد میں آپ اپنی روزمرہ کی جگہ بدل دیں، گورنر آپ کو آپ کی جگہ پر تلاش کرے گا، جب آپ وہاں نہیں ہوں گے تو وہ آپ کو حاضر کرنے پر زور نہیں دے گا۔

آپ نے یہ تجاویز سن کر فرمایا پہلی تجویز کا مطلب یہ ہے کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور سمجھیں کہ میں نے بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا یہ مجھے ہرگز منظور نہیں ہے۔ دوسری تجویز بھی منظور نہیں میں اپنے کانوں سے مؤذن کی آواز حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح سن کر گھر میں نہیں بیٹھ سکتا۔ تیسری تجویز اس لیے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ جو جگہ چالیس سال سے میں نے اپنے لیے مقرر کر رکھی ہے اسے مخلوق کے ڈر سے بدلنا گوارا نہیں ہے۔ بخدا! میں اس سے ایک بالشت بھی آگے پیچھے نہیں ہوں گا۔
جب آپ نے ان تجاویز کو ماننے سے انکار کر دیا تو فقہاء اٹھ کر چلے آئے

نماز کا وقت ہو چکا تھا اس لیے آپ آکر مسجد میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ نماز سے فارغ ہوکر گورنر نے آپ کو بلایا اور کہا:

امیر المؤمنین نے لکھا ہے کہ اگر آپ بیعت نہ کریں تو آپ کا سر قلم کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں دو خلیفوں کی بیعت سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا میں معذور ہوں۔ جب آپ قتل کی دھمکی سے خوف زدہ ہو کر بھی بیعت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو ہشام نے آپ کے ننگے بدن پر پچاس کوڑے لگوائے اور تشہیر کے لیے مدینہ کی گلیوں میں گھمانے کا حکم دیا۔

آپ کے ننگے بدن پر کوڑے برستے دیکھ کر ایک عورت بولی ہائے! یہ کتنی رسوائی کی بات ہے؟ آپ نے فرمایا یہ رسوائی نہیں ہے، رسوائی وہ ہے جس سے بچنے کے لیے ہم نے یہ ساری مصیبت جھیلی ہے۔ وہ دراصل دنیا و آخرت دونوں جہان کی رسوائی ہے۔[۵۰]

ہشام نے کوڑے لگوانے اور تشہیر کرانے کے بعد آپ کو جیل میں محبوس کر دیا اور عبدالملک کو اپنی کارگزاری کی اطلاع دی۔ جب عبدالملک کو خبر ہوئی تو اس نے ہشام کو سخت ڈانٹ پلائی۔ آپ کو رہا کرنے کا حکم دیا اور لکھا سعید تمہارے اس سلوک کے بجائے صلہ رحمی کے زیادہ مستحق تھے۔ ہم جانتے ہیں ان کا یہ انکار کسی مخاصمت اور بغاوت پر مبنی نہیں ہے۔[۵۱]

۳۔ ہشام نے تازیانے لگانے سے پہلے آپ کو اُون کا جانگیہ پہنانے کا حکم دیا۔ پولیس کا بیان ہے ہم جانتے تھے کہ سعید جانگیہ پہننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوں گے اس لیے ہم نے کہا اے ابو محمدؒ قتل کا وقت قریب ہے، بے پردگی سے بچنے کے لیے جانگیہ پہن لو یہ سن کر آپ نے بخوشی جانگیہ پہن لیا۔ جب کوڑے لگ چکے تو ہم نے کہا آپ کو دھوکا سے جانگیہ پہنایا گیا ہے۔ آپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

---

[۵۰] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۷ ج ۲ و البدایہ ص ۱۰۱ ج ۹ و ابن خلکان ص ۲۰۷ ج ۱ [۵۱] البدایہ ص ۱۰۰ ج ۹ و طبقات ابن سعد ص ۹۳ ج ۵

آپ نے فرمایا اے حکومت کے اہل کارو! اگر مجھے قتل کا یقین نہ ہوتا تو میں اسے کبھی نہ پہنتا۔[۲۷]

۴۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے مسجد نبوی کی تعمیر از سرِ نو مکمّل ہو چکی ہے۔ خلیفہ مدینہ میں آیا ہوا ہے اور مسجد کا معائنہ کرنا چاہتا ہے۔ پولیس کو حکم ملتا ہے کہ مسجد سے تمام لوگ نکال دیئے جائیں۔ خلیفہ کے حکم پر فوراً عملدر آمد ہوا اور سب لوگ مسجد سے نکال دیئے گئے۔ مگر حضرت سعید بن مسیب دو معمولی چادریں جن کی قیمت بمشکل روپیہ سوا روپیہ ہوگی۔ زیب تن کیے نماز سے فارغ ہو کر ذکر و فکر میں مشغول ہیں۔ مدینہ کی پولیس ان کی طبیعت سے خوب واقف تھی وہ تو انہیں باہر نکالنے کی جرأت نہ کر سکی۔ کسی دوسرے شخص نے کہا خلیفہ مسجد کا معائنہ کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ تمام لوگ نکل گئے ہیں بہتر ہے کہ آپ بھی تھوڑی دیر کے لیے باہر تشریف لے جائیں، فرمانے لگے بخدا میں جس وقت اٹھا کرتا ہوں اس سے پہلے نہیں اٹھوں گا، اس نے کہا اچھا جب خلیفہ آپ کے پاس سے گزرے تو اسے کھڑے ہو کر سلام کرنے کے لیے تیار رہیں بولے واللہ! میں خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے بھی کھڑا نہیں ہوں گا۔ اتنے میں خلیفہ مسجد میں آگیا۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منوّرہ کے گورنر تھے وہ اس کو ادھر ادھر لیے پھرتے رہے تاکہ اس کی نظر آپ پر نہ پڑے اور اس طرف آنے سے پہلے آپ فارغ ہو کر باہر چلے جائیں۔ مگر دیوار قبلہ کا معائنہ کرتے وقت ولید کی نظر آپ پر پڑ گئی بولا وہ کون بیٹھا ہے؟ یہ سعید بن مسیب تو نہیں ہیں؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز بولے جی ہاں وہی ہیں۔ پھر ان کی طرف سے عذر کرنے لگے انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں ورنہ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوتے۔ بہت کمزور ہو گئے ہیں اور آنکھوں سے بہت کم دکھائی دیتا ہے، ولید بولا میں انہیں خوب جانتا ہوں میں خود ان کے پاس حاضر ہو کر سلام کروں گا۔ پھر وہ پھرتا پھراتا روضۂ اقدس کے پاس آیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھہر کر حضرت سعید کے پاس پہنچا اور بولا کہیئے شیخ! مزاج کیسے ہیں؟ بخدا! آپ

---

[۲۷] حلیۃ الاولیاء ص ۱۷۱ ج ۲

نے حرکت تک نہیں کی اور نہ خلیفہ کو سلام کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کہا، الحمدللہ بخیریت ہوں، امیرالمومنین کیسے ہیں؟ ولید نے کہا الحمدللہ اچھا ہوں یہ کہہ کر مسجد سے نکل گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہا یہ سلف کی یادگار ہیں۔

ملوک وسلاطین سے تعلقات

آپ نے بہت سے خلفاء کا زمانہ پایا ہے۔ مگر تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی سے مراسم اور تعلقات پیدا کیے ہوں۔ آپ کی طبعِ مبارک ملوک وسلاطین سے بالعموم اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سوا آلِ مروان سے بالخصوص سخت نفور تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کو کبھی پرِکاہ کے برابر حیثیت بھی نہیں دی خود جانا تو کجا ان کے بلانے پر بھی کبھی ان کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اور نہ ان سے کبھی کسی طرح کی مطلب برآری کا خیال دل میں آنے دیا۔ یہی آپ کے استغناء کی سب سے بڑی دلیل ہے جس نے آپ کو ہمیشہ امراء وسلاطین کے سامنے نیازمندی کی ذلت سے محفوظ رکھا۔

ایک دفعہ عبدالملک بن مروان نے حج کیا مدینے آیا تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک شخص کو آپ کے بلانے کے لیے بھیجا اور ہدایت کی کہ بداخلاقی سے پیش نہ آئے قاصد آیا اور کہا امیرالمومنین دروازہ پر کھڑے ہیں اور آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا نہ امیرالمومنین کو مجھ سے کوئی حاجت ہے اور نہ مجھے امیرالمومنین سے کوئی غرض۔ ان کی جو یہ خواہش ہے کبھی پوری نہ ہوگی۔

قاصد واپس آگیا اور خبر دی، عبدالملک نے کہا ان کے پاس پھر جاؤ اور کہو میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ قاصد آپ کے پاس آیا اور کہا امیرالمؤمنین کی بات سنیئے۔ آپ نے اس سے وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ اس پر قاصد بولا اگر امیرالمؤمنین نے ہدایت نہ کی ہوتی تو میں آپ کا سر لیے بغیر کبھی نہ جاتا۔ امیرالمؤمنین آپ کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ آپ سے بات کریں تو آپ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ میری بجائے تمہارے ساتھ کرے اور اگر وہ اس کے سوا کچھ اور کرنا چاہتا ہے تو میں یہاں

سے نہیں اُٹھوں گا تا وقتیکہ اس نے جو فیصلہ کرنا ہے کر لے، قاصد عبدالملک کے پاس آیا اور آگاہ کیا اس نے کہا اللہ تعالیٰ ابو محمد پر رحمت کرے انہوں نے محض سختی کی وجہ سے انکار کیا ہے [۳۷]

جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہونے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ لوگ ایک بزرگ کے گرد جمع ہیں۔ پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ سعید بن مسیب ہیں، جب وہ ایک جگہ بیٹھ گیا تو امام صاحب کے بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، اس نے آکر کہا چلیئے! امیر المؤمنین بلاتے ہیں، آپ نے فرمایا تم سے میرا نام لینے میں غلطی ہو گئی ہے یا انہوں نے تمہیں کسی اور کے پاس بھیجا ہوگا۔ جب قاصد نے واپس آکر خبر دی اور امام صاحب نہ آئے تو ولید یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا اور آپ کو اس بے اعتنائی کی سزا دینا چاہی، مگر اُس وقت کچھ نیک لوگ موجود تھے کہنے لگے، امیر المومنین! یہ مدینہ کے بہت بڑے فقیہ، قریش کے بزرگ اور آپ کے والد کے دوست ہیں۔ آج سے پہلے کسی بادشاہ نے یہ طمع نہیں کی کہ وہ اس کے پاس آئیں، غرض اسی طرح سمجھانے بجھانے سے وہ آپ کو سزا دینے کے خیال سے باز آیا [۴۴]

عوام سے تعلقات

امراء و سلاطین کی طرح عوام کے ساتھ بھی آپ کے مراسم کچھ زیادہ گہرے نہیں تھے۔ کاروبار کے لیے منڈی جانے کے سوا آپ کسی کے گھر آنا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ فرصت کا وقت اپنے گھر گذارتے تھے یا پھر نماز و عبادت اور تعلیم و تدریس کے لیے مسجد نبوی میں حاضر رہتے تھے، چنانچہ خود فرماتے ہیں، میں مدینہ میں اپنے گھر کے سوا بھول کر بھی کبھی کسی کے گھر نہیں گیا۔ ہاں گاہے گاہے اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے اس کے گھر جاتا ہوں اور اس کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ آپ کے داماد کثیر بن ابی وداعہ کا بیان ہے کہ چالیس سال سے کسی نے آپ کو اپنے گھر اور مسجد کے سوا کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔

---

[۴۳] طبقات ابن سعد ص ۹۵ ج ۵ [۴۴] طبقات ابن سعد ص ۹۵ ج ۵

ہمدردی اور خیر خواہی

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو کسی سے کوئی ہمدردی ہی نہیں تھی اور نہ کسی خیر خواہی اور اصلاح سے واسطہ! محض اپنے ہی مفاد سے غرض تھی اور بس۔ نہیں نہیں اس کے برعکس آپ یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کے محسن، جاہلوں اور ناواقفوں کے راہنما اور گنہگاروں اور خطاکاروں کے پردہ پوش تھے۔ ہزار ہا بندگان خدا کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہر طرح کا فیض حاصل ہوا حتیٰ کہ شرابیوں اور بھگیوں تک آپ کی تربیت سے محظوظ ہوئے۔ عبدالرحمان بن حرملہ کہتے ہیں، ایک دن میں صبح کی نماز کے لیے گھر سے نکلا تو راستے میں مجھے ایک شرابی مستی کی حالت میں ملا۔ میں اسے کھینچ کر اپنے گھر لے گیا۔ پھر حضرت سعید سے پوچھا "اگر کوئی شخص کسی شرابی کو بے ہوش پائے تو حد لگوانے کے لیے اسے بادشاہ کے سامنے پیش کرے یا نہیں؟" فرمانے لگے جہاں تک ہو سکے اس کو اپنے کپڑے میں چھپاؤ اور اس کے عیب پر پردہ ڈالو، نماز سے فارغ ہو کر میرے گھر واپس آنے تک وہ شرابی ہوش میں آ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر شرمایا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ میں نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی اگر آج پکڑے جاتے اور حد لگ جاتی تو تم جیتے جی مر جاتے اور لوگ کبھی تمہاری شہادت قبول نہ کرتے۔ اس نے وعدہ کیا واللہ! میں آج کے بعد شراب نہیں پیوں گا۔ چنانچہ اس کی حالت بہتر ہو گئی اور اس کے بعد اس نے کبھی شراب نہیں پی [۴۳]

ایک قابلِ تقلید مثال

ملوک پرستی اور شاہنوازی کے خلاف آپ نے غریب پروری کی ایک ایسی بے نظیر مثال قائم کی جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اسے اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کی ایک نہایت حسین و جمیل صاحبزادی تھی جسے خالقِ کائنات نے بڑی فراخدلی سے حسنِ صورت کے ساتھ ساتھ حسنِ سیرت سے بھی بہرہ وافر عطا کیا تھا۔ وہ کتاب اللہ کی حافظ، سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم اور شوہر کے حقوق و آداب سے پوری طرح واقف تھی۔ خلیفہ عبدالملک نے اس کے صوری و معنوی

---

[۴۳] طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۵

کمالات کا حال سن کر اسے حاصل کرنا چاہا اور امام صاحب کے پاس اپنے بیٹے ولید کیلئے جو اس کا ولی عہد بھی تھا، اس لڑکی کے رشتہ کا پیغام بھیجدیا۔ یقیناً ایک طالب دنیا کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں کہ روئے زمین کا بادشاہ اس سے رشتہ لینے اور اس کے ساتھ قرابت پیدا کرنے کے لیے بے قرار ہو، اگر آپ چاہتے تو خلیفہ کی درخواست قبول فرما کر اپنے عزوجاہ میں عظیم الشان اضافہ کر سکتے تھے، مگر جتنی خلیفہ کو رغبت تھی اتنا ہی کمال بے اعتنائی کے ساتھ آپ نے اس کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ اور اپنی اس صاحبزادی کا نکاح ایک مفلس اور نادار طالب علم سے ایسے سادہ اور بے تکلف طریقہ سے کر دیا جس کی نظیر صفحاتِ تاریخ میں اگر ملنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات آپ کے داماد کی زبانی سُنیئے اور اندازہ فرمایئے کہ آج کی مادّی دنیا میں ایسی مثال ملنا ممکن ہے؟

کثیر بن ابی وداعہ کا بیان ہے کہ میں حضرت سعید بن مسیب کے حلقۂ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا، مگر بیوی کی وفات کی وجہ سے چند دن غیر حاضر رہا پھر جب کچھ دنوں کے بعد حاضر ہوا تو پوچھنے لگے اتنے دن کہاں رہے؟ میں نے عرض کیا میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لیے مجبوراً اتنا عرصہ ناغہ کرنا پڑا۔ فرمانے لگے اگر ہمیں اطلاع کی ہوتی تو ہم بھی اس کے جنازے میں شریک ہو جاتے، پھر جب میں جانے لگا تو پوچھا دوسری شادی کا بندوبست ہوا ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا اب میرے جیسے قلاش اور مفلس کو کون رشتہ دے گا۔ میرے پاس تو دو تین درہم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے فرمانے لگے اگر میں رشتہ دے دوں تو تمہیں پسند ہے؟ میں نے کہا اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہو گی۔ چنانچہ آپ نے اسی مجلس میں خطبہ مسنونہ پڑھا اور دو درہم (آٹھ آنہ) مہر کے عوض اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ جب میں فارغ ہو کر باہر نکلا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی بے انتہا مسرت و شادمانی کی وجہ سے مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ میں کیا کروں میں گھر آیا اور سوچتا تھا کہ ازدواجی مصارف پورا کرنے کے لیے کسی سے قرض لوں۔ اسی ادھیڑ بن میں دن گزر گیا۔ میں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھانے بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے

دروازہ پر دستک دی، میں نے کہا کون صاحب ہیں؟ جواب آیا سعید۔ میں حضرت سعید بن مسیب کے علاوہ ہر اس شخص کے متعلق سوچنے لگا جس کا نام سعید تھا کہ یہ کون سعید ہے؟ حضرت سعید کی طرف میرا خیال اس لیے نہیں گیا کہ چالیس سال سے کسی نے ان کو اپنے گھر اور مسجد کے سوا کہیں آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن مسیب کھڑے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ نے تکلیف کیوں اٹھائی؟ مجھے پیغام بھیجدیا ہوتا۔ میں حاضرِ خدمت ہو جاتا فرمانے لگے نہیں میرا ہی حق آنے کا تھا۔ میں نے سوچا تم نے شادی کی ہے تمہارا اکیلا رات رہنا مناسب نہیں سمجھا اس لیے تمہاری اہلیہ کو تمہارے پاس چھوڑنے آیا ہوں۔ وہ آپ کے پیچھے کھڑی تھی۔ اسے دروازے میں دھکیل کر خود واپس چلے گئے۔ میں نے چھت پر جا کر اپنے پڑوسیوں کو آواز دی وہ آئے اور بلاوقت بلانے کا سبب پوچھا میں نے کہا حضرت سعید بن مسیب نے اپنی صاحبزادی کا میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے۔ اور اب وہ کسی کو اطلاع کیے بغیر میرے گھر چھوڑ گئے ہیں، وہ اس وقت میرے مکان میں بیٹھی ہے۔ ہمسائے یہ سن کر میرے مکان میں جمع ہو گئے۔ اور اس طرح خاموش شادی پر دلی مسرت کا اظہار کیا، میری والدہ کو پتہ چلا تو وہ آئیں اور کہنے لگیں کہ جب تک تین دن تک میں اس کا بناؤ سنگار نہ کر لوں۔ اگر تم اس کے قریب گئے تو میں کبھی تمہارا منہ نہ دیکھوں گی۔ چنانچہ جب میں تین دن کے بعد اپنی بیوی سے ملا تو اسے بے حد حسین، کتاب اللہ کی حافظ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم اور شوہر کے حقوق سے بڑی باخبر پایا۔ شادی کے بعد ایک مہینہ تک نہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور نہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکا۔

پھر میں ایک دن ان کے پاس گیا اس وقت آپ حلقہ درس میں حدیث پڑھانے میں مصروف تھے۔ میں نے سلام عرض کیا آپ نے جواب دیا اور بدستور پڑھانے میں مصروف رہے، جب سبق ختم ہونے پر تمام حاضرین چلے گئے اور سوائے میرے مجلس میں باقی کوئی نہ رہا تو مجھ سے پوچھا اس انسان کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا جناب! سب ٹھیک ہے، دوستوں کے لیے خوشی اور دشمنوں کے لیے غیظ و حسد کا باعث ہے، فرمانے

لگے اگر کچھ روی معلوم کرو تو ڈنڈے سے خبر لینا، میں گھر واپس آیا تو آپ نے بیس ہزار روپیہ ہمارے لیے بھیجدیا۔

یہ وہی لڑکی ہے جس کا رشتہ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کے لیے طلب کیا تھا اور امام صاحب کے انکار پر وہ ناراض ہو گیا تھا پھر طرح طرح کے بہانے کر کے آپ کو سو بید کی سزا دی تھی اور سخت جاڑے کے موسم میں آپ کے بدن پر سرد پانی ڈلوایا تھا۔[۷۶]

اعلانِ حق

مطلب بن سائب کا بیان ہے میں ایک دن امام سعید کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا۔ بنو مروان کا ہر کارہ قریب سے گزرا۔ آپ نے پوچھا تم بنو مروان کے قاصد ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا تم نے ان کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ اس نے کہا میں نے ان کو بہتر حالت میں چھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے ان کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ کتوں کو کھلاتے ہیں اور انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی قاصد آنکھیں نکال کر اور سینہ تان کر آپ کی طرف بڑھا۔ میں درمیان میں ہو گیا اور بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر اسے الگ کیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے آپ کیوں ناحق اپنی جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ فرمانے لگے رحمٰن! چپ رہو۔ بخدا! جب تک میں خدا کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہوں وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔[۷۷]

ایک دفعہ ایسے ہی اعلانِ حق کے جرم میں مسلم بن عقبہ نے آپ کو قتل کر دینا چاہا تو عمرو بن عثمان اور مروان بن حکم نے آپ کے دیوانہ ہونے کی شہادت دی تب کہیں جا کر اس نے آپ کی گلو خلاصی کی۔[۷۸]

---

[۷۶] حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۷ ج ۲ تاریخ ابن خلکان ص ۲۰۷ ج ۱ [۷۷] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۲ ج ۱ [۷۸] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۲ ج ۱

اعلیٰ اخلاق اور مخالفین کے حق میں دُعا

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں خلفاءِ بنو مروان کے ساتھ آپ کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ انہوں نے آپ کے استخفاف اور توہین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بارہا قید و بند اور مار پیٹ کے مصائب میں آپ کو مبتلا کیا مگر آپ کا اعلیٰ کردار اور بلند اخلاق دیکھئے کہ جب انہوں نے آپ کو لوگوں کے ساتھ ہم کلامی سے منع کیا۔ تو آپ نے اس پر پورا پورا عمل کر دکھایا جب کوئی شخص آپ کے پاس آنا چاہتا تو آپ فرماتے میرے پاس مت بیٹھو۔ انہوں نے مجھے تازیانے لگائے ہیں۔ اور لوگوں کو میرے پاس بیٹھنے اور کلام کرنے سے منع کر دیا ہے[۷۹] چنانچہ ابو یونس کہتے ہیں میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھ کو لوگوں نے بتایا کہ حکومت نے آپ کو لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھنے کا حکم دیا ہے میں نے سبب پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ حکومت نے آپ کو لوگوں کی ہم نشینی سے منع کر دیا ہے، اسی لیے آپ علیحدہ بیٹھے ہیں[۸۰]

ابو بکر بن عبداللہ کہتے ہیں جب آپ سے بنوامیہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ فرماتے میں ان کے متعلق وہی کہتا ہوں جو میرے رب نے کہنے کا حکم دیا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (۵۹ - ۱۰) [۸۱]

ملفوظات

آپ سے بکثرت ملفوظات منقول ہیں جو اپنے اندر تاریک دلوں کو روشن اور چشم عبرت کو وا کرنے کا کافی مواد رکھتے ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری جیسا حصولِ عزت کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور نہ اس کی نافرمانی جیسی ذلیل کرنے والی کوئی چیز ہے[۸۲]

۲۔ جب کسی طرح شیطان انسان کو گمراہ کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو اس کے لیے

---

[۷۹] طبقات کبریٰ للشعرانی ص ۲۶ ج ۱ [۸۰] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۲ ج ۱ [۸۱] ابن سعد ص ۵۶ ج ۵

[۸۲] البدایہ ص ۲۰۰ ج ۹

عورتوں کی طرف سے فتنہ کا دروازہ کھول دیتا ہے[۸۳]۔ فرمایا کرتے تھے میری عمر اسی سال کو پہنچ گئی ہے مگر جتنا خطرہ مجھے عورتوں سے ہے کسی دوسری چیز سے نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا اے ابو محمد! آپ جیسا آدمی تو عورتوں سے رغبت نہیں رکھتا اور نہ ہی عورتیں آپ کو چاہتی ہیں۔ فرمانے لگے یہ صحیح ہے مگر بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں[۸۴]۔

۳۔ جب انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے دوسروں سے بے نیاز ہو جائے تو لوگ اسکے محتاج ہو جاتے ہیں[۸۵]۔

۴۔ دنیا ذلیل ہے اور ہر ذلیل کی طرف مائل ہے۔ اس سے زیادہ ذلیل وہ ہے جو اسے ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے اور ناجائز مصارف میں خرچ کرتا ہے[۸۶]۔

۵۔ ہر شریف، ہر عالم اور ہر صاحبِ فضل میں کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوتا ہے۔ لیکن جس کی خوبیاں عیوب سے زیادہ ہوں اس کے عیب ذکر نہیں کرنے چاہئیں بلکہ اس کے فضائل کو دیکھ کر اس کے نقائص سے درگزر کرنا چاہیئے[۸۷]۔

۶۔ ظالموں اور ان کے اعوان و انصار کو آنکھ بھر کر نہ دیکھو اگر دیکھنا پڑے تو دل میں ان سے نفرت کرو تاکہ تمہارے اعمال صالحہ ضائع نہ ہو جائیں[۸۸]۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے والی ہر چیز گرامی قدر اور عظیم المرتبت ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم اور مسجد کو تصغیر کے ساتھ مصیحف (چھوٹا قرآن) اور مسیجد (چھوٹی مسجد) مت کہو[۸۹]۔

۸۔ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے اعمال پر پردہ ڈالتا ہے جب کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے پردہ سے نکال دیتا ہے اور اس کے عیب لوگوں پر ظاہر ہو جاتے ہیں[۹۰]۔

۹۔ بنو لیث کے چند نوجوان عبادت میں بڑے سرگرم تھے۔ دوپہر کے وقت مسجد میں آجاتے اور عصر کی نماز سے فارغ ہونے تک فرائض و نوافل میں مصروف رہتے

---

۸۳ البدایہ ص ۱۰۰ ج ۹ ۸۴ طبقات ابن سعد ص ۱۰۰ ج ۵ ۸۵ البدایہ ص ۱۰۰ ج ۹ ۸۶ ایضاً ۸۷ ایضاً ۸۸ ایضاً ۸۹ طبقات کبریٰ للشعرانی ص ۲۶ ج ۱ ۹۰ ایضاً

کسی شاگرد نے امام صاحب سے کہا عبادت تو ایسی ہونی چاہیئے کاش ہم بھی ان نوجوانوں کی طرح عبادت کر سکتے آپ نے فرمایا عبادت یہ نہیں ہے عبادت دین میں تفقہ اور نشانات قدرت میں کامل غور و فکر کا نام ہے[۹۱]۔

۱۰۔ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہی امداد کافی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو مصیبت میں مبتلا دیکھے جس سے وہ محفوظ ہے[۹۲]۔

اولاد

آپ صاحب اولاد تھے۔ آپ کی ایک حسین و جمیل اور عالمہ فاضلہ لڑکی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور ایک لڑکا محمد نامی علم الانساب کا بڑا ماہر تھا۔ ابن العماد حنبلی نے اس کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے آپ کی اور اولاد بھی تھی۔ مگر تلاش کے باوجود ان دو بہن بھائیوں کے سوا کسی کا پتہ نہیں چل سکا۔

تلامذہ

آپ سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا ان میں بڑے بڑے جلیل القدر تابعین اور اتباع تابعین شامل ہیں۔ مندرجہ ذیل خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کا صاحبزادہ محمد، سالم بن عبداللہ، امام ابن شہاب زہری، امام مکحول شامی، امام قتادہ، عمرو بن مرہ، ابوالزناد، سعد بن ابراہیم، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابی ہند، طارق بن عبدالرحمان، عبدالحمید بن جبیر، محمد بن منکدر، امام ابو جعفر باقر اور ہاشم بن ہاشم وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مرض الموت اور وفات

آپ کافی عرصہ بیمار رہے جس کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی اور غشی کے دورے بھی پڑنے لگے تھے۔ نافع بن جبیر بیمار پرسی کے لیے آئے تو اس وقت آپ پر غشی طاری تھی۔ انہوں نے کہا آپ کی چارپائی قبلہ رخ کر دو۔ چنانچہ وہ قبلہ رخ کر دی گئی جب ذرا ہوش میں آئے تو فرمایا میری چارپائی قبلہ رخ کرنے کا کس نے حکم دیا

۹۱؎ حلیۃ الاولیاء ص ۱۶۶ ج ۲ ۹۲؎ صفتہ الصفوہ ص ۴۴ ج ۲

ہے کیا نافع بن جبیر نے کہا ہے؟ نافع نے عرض کیا جی ہاں میں نے ہی کہا تھا، فرمایا اگر میں قبلہ پر نہیں اور اسلام کو تسلیم نہیں کرتا تو قبلہ رُخ کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جب میں مسلمان ہوں تو پھر جدھر بھی میرا منہ ہو وہ اللہ کی طرف ہی ہے[۹۳]

عبدالرحمان بن حرملہ فرماتے ہیں میں آپ کی بیمار پرسی کے لیے گیا۔ اُس وقت بیماری کا سخت حملہ ہو رہا تھا بیٹھ کر نماز پڑھنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ چت لیٹ کر آپ نے نماز پڑھنی شروع کی جس میں میں نے آپ کو والشمس وضحاہا پڑھتے سُنا۔ رکوع و سجود کے وقت اپنے سر کے ساتھ سینے کی طرف اشارہ کرتے تھے اور پیشانی کی طرف کوئی چیز نہیں اٹھاتے تھے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا جب مریض بیٹھ کر نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھ لے اور اپنے سر کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے[۹۴]

وفات سے پہلے آپ نے یہ وصیت فرمائی میری قبر پر خیمہ نہ لگانا میرے نیچے سُرخ چادر نہ ڈالنا، میری میّت کے ہمراہ آگ نہ لے جانا۔ میرے جنازے میں شرکت کے لیے کسی کو اطلاع نہ دینا چار آدمی کافی ہیں۔ جو مجھے میرے رب تک پہنچا دیں۔ کسی ثنا گو کو ساتھ نہ لینا جو میرے وہ وہ صفات بیان کرے جو مجھ میں نہیں پائے جاتے۔ مجھے بخور دینے کے لیے انگیٹھی بھی ہمراہ نہ ہو اگر میں گناہ سے پاک ہوں تو اللہ تعالےٰ کی خوشبو اس خوشبو سے بہتر ہے[۹۵]

وفات کے وقت آپ کے پاس دو یا تین ہزار درہم تھے فرماتے تھے میں نے اپنا دین اور اپنی عزت بچانے کے لیے ان کو اپنے پاس رکھا ہوا تھا[۹۶]

۷۹ سال عمر پا کر ۹۴ھ کو ولید بن عبدالملک کے عہد میں عالمِ اسلام کا یہ نیّرِ اعظم قریباً نصف صدی تک علم و عرفان کی روشنی پھیلانے کے بعد مدینہ منورہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

۹۳ طبقات ابن سعد ص ۱۰۵ ج ۵ ۹۴ طبقات ابن سعد ص ۱۰۴ ج ۵ ۹۵ ایضاً ص ۱۰۵ ج ۵ ۹۶ ایضاً

تاریخ میں ۹۴ھ کو "سنۃ الفقہا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ اس سال بڑے بڑے نامی گرامی فقہاء دنیا کو چھوڑ کر عالم بالا کو سدھارے تھے۔

تغمدھم اللہ تعالیٰ برحمتہ الکاملۃ الشاملۃ الواسعۃ ورزقنا محبتھم ووفقنا اتباعھم۔

☆☆☆☆☆☆

۲۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

نام و نسب :

آپ کا اسم گرامی عروہ بن الزبیر بن العوام ہے اور ابو عبداللہ کنیت۔ آپ کی پیدائش حضرت عمر رضہ کی خلافت کے چھٹے سال ہوئی آپ اپنے برادرِ حقیقی حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ سے تقریباً بیس۲۰ سال چھوٹے تھے۔ اس حساب سے آپ ۱۹ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ مگر حافظ ابن کثیرؒ نے ۲۳ھ میں آپ کی ولادت کو صحیح بتایا ہے۔ آپ کے والد حضرت زبیر رضہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ اور اس کمیٹی کے رکن تھے جو فاروقِ اعظم رضہ نے اپنی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے مقرر فرمائی تھی۔ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"لکلّ نبیٍ حواری وحواری الزبیر"

ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضہ ہے۔ آپ کی والدہ حضرت اسماء رضہ ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کی بہن اور حضرت صدیق اکبر رضہ کی دخترِ نیک اختر ہیں۔ آپ ذات النطاقین کے لقب سے ملقب تھیں، کیونکہ ہجرت کے روز انہوں نے اپنا دوپٹہ چیر کر نصف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد کا کھانا باندھا تھا۔ اور دوسرا نصف ان کے پانی کے مشکیزے پر لپیٹ دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت عبداللہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ مصر و شام کے علاوہ باقی تمام عالمِ اسلام پر سالہا سال تک ان کا عَلَم اقتدار لہراتا رہا۔ بالآخر بنوامیہ کے ساتھ لڑتے بھڑتے ۷۳ھ میں جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اور ان کی شہادت کے ساتھ ان کی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

چونکہ حضرت عروہ طبعی طور پر دنیا اور اس کے پُر شور ہنگاموں سے نفور تھے۔ اس لیے بھائی کے زمانہ کی لڑائیوں اور ان سے بھی پہلے کے تمام فتنوں سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ اور ان میں کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں لی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عجیب اتفاق:

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضؓ کے عہدِ حکومت میں جب حالات اعتدال پر تھے۔ عبدالملک بن مروان، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضؓ اور ان کے دونوں بھائی مصعب اور حضرت عروہ رضؓ مسجدِ حرام میں جمع ہوئے اور باتوں باتوں میں ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ آیئے ہم سب مل کر اس مقدس مقام میں اپنے اپنے دل کی آرزو ظاہر کریں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضؓ فرمانے لگے میری آرزو یہ ہے کہ میں خلیفہ بنوں اور حرمین شریفین پر میرا جھنڈا لہرائے۔ عبدالملک نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ میں روئے زمین کا بادشاہ بنوں اور مجھے حضرت معاویہ رضؓ کی جانشینی نصیب ہو۔ مصعب بولے میری خواہش یہ ہے کہ عراق و عرب اور عراقِ عجم میرے زیرِ حکومت ہوں اور قریش کے اعلیٰ خاندانوں کی دو حسین و جمیل صاحبزادیاں سکینہ بنت حسین اور عائشہ رضؓ بنت طلحہ رضؓ میرے حبالۂ عقد میں آئیں۔ حضرت عروہ رضؓ فرمانے لگے میری آرزو تم سب سے مختلف ہے۔ مجھے دنیا کے کسی اقتدار اور جاہ و مال کی حاجت نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے آخرت میں جنت ملے۔ دنیا میں علوم دین سے حصہ وافر پاؤں اور مخلوقِ خدا مجھ سے فیض یاب ہو۔ انقلابِ زمانہ ملاحظہ فرمایئے کہ ان میں سے ہر ایک شخص کی مراد بر آئی اور اپنے دلی مقصد میں کامیاب ہوا۔ جب ہی تو عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا۔ جس نے کوئی جنتی آدمی دیکھنا ہو وہ عروہ بن زبیر رضؓ کو دیکھ لے[1]

طلبِ علم:

آپ کی پیدائش سے پہلے اسلامی حکومت کے حدود دُور دُور تک پھیل چکے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں قلمرو اسلام میں شامل ہونے کی وجہ سے تمام مسلمان خوشحال اور معاشی پریشانیوں سے فارغ البال تھے۔ اس لیے جب آپ نے اسلام کے اوّلین داعی اور پُر جوش مبلغ خاندان میں آنکھیں کھولیں تو سنِ رشد کو پہنچنے کے بعد نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے۔ طبیعت رسا پائی تھی اور مہبطِ وحی، مدینہ طیبہ میں بڑے بڑے جلیل القدر و عظیم المرتبت صحابہ کرام رضؓ اور ان کے صحبت یافتہ تابعین عظام سے کسبِ فیض کے مواقع میسر آئے تھے۔ لہٰذا آپ نے خوب خوب علم سے دامن بھرے اور اپنے زمانہ

---

[1] ابن خلکان ص ۳۱۷ جلد ا

کے معدودے چند چوٹی کے فقہائے محدثین میں شمار ہوئے۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں۔

آپ کے والد حضرت زبیرؓ اور بھائی عبداللہؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ، حضرت مسور بن مخرمہؓ، حضرت حکیم بن حزامؓ۔ عورتوں میں سے آپ کی خالہ حضرت عائشہؓ، والدہ حضرت اسماءؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ہانیؓ، تابعین میں سے حضرت نافع بن جبیرؓ، حمران مولیٰ عثمانؓ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمانؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم وارضاہم اجمعین۔

آپ کی تعلیم و تربیت میں حضرت عائشہؓ کا حصہ:

آپ نے مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ دوسرے بے شمار صحابہؓ اور تابعین سے بھی علم حاصل کیا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی تعلیم و تربیت میں جتنا حصہ آپ کی خالہ حضرت عائشہؓ کا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا، علوم کتاب و سنت میں جو مقام ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ آپ کے گھر میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ اور آپ کو نہایت قریب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ حالات دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر اور اونچے مرتبہ کے صحابہؓ بھی پیچیدہ اور مشکل مسائل کے حل میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

آپ نے اپنے بھانجے حضرت عروہ کی بڑی توجہ اور کمال شفقت و مہربانی سے تربیت کی اور اپنا تمام قیمتی علمی سرمایہ اس کے قلب و دماغ میں اتار دیا۔ ہونہار بھانجے نے بھی آپ سے علم و دانش کے سمیٹنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے حدودِ علم کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں منہمک رہا حتیٰ کہ ان کا تمام علم اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے انتقال سے چار یا پانچ سال پہلے ان کا تمام علم حاصل کر

چکا تھا، اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ اگر خدانخواستہ ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے ان کی کسی حدیث کے متعلق پچھتانا نہیں پڑے گا۔ ان کی کوئی حدیث ایسی باقی نہیں رہی تھی جو میں نے از بر نہ کر لی ہو۔[۲] امام سفیان بن عیینہ رح فرماتے ہیں۔ حضرت عروہ، عمرہ اور قاسم، حضرت عائشہ رض کی احادیث سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔[۳] قبیصہ بن ذویب فرماتے ہیں عروہ رض حضرت عائشہ رض پر داخل ہونے میں ہم سب پر غالب آجاتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رض تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھیں۔[۴]

قرآن فہمی:

حدیث کی طرح قرآنِ حکیم کی تعلیم بھی آپ نے حضرت عائشہ رض سے حاصل کی جب آپ کو کسی آیت کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت فرماتے اور وہ بھی بڑی قابلیت اور نہایت پیار سے آپ کے اشکال کو دور فرماتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ کو سعی بین الصفا والمروۃ (جو حج کے مناسک میں سے ہے) کے متعلق کچھ اشکال پیش آیا تو فوراً خالہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا خالہ! معلوم ہوتا ہے کہ حاجی کے لیے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص نہ دوڑے تو اس پر گناہ نہیں خالہ بولیں وہ کیسے؟ بولے، قرآنِ حکیم میں ہے:

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا.	جو شخص بیت اللہ میں حج یا عمرہ کیلئے آئے تو اس پر صفا مروہ کے درمیان دوڑنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ان کے درمیان طواف نہ کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، حضرت عائشہ رض نے فرمایا۔ تم غلط سمجھے ہو۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو اس آیت کے الفاظ یوں ہوتے:

لاجناح علیہ ان لا یطوف بھما۔	ان دونوں کے درمیان نہ دوڑنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اصل میں اس طرح تعبیر کی وجہ یہ ہے۔ کہ اسلام سے پہلے انصار کے کچھ لوگ حج کو آتے ہوئے مشلل میں واقع منات بُت کا احرام باندھتے اور اس کا حج کرتے تھے۔ یہ لوگ جب وہاں سے

---

[۲] تہذیب التہذیب ص ۱۸۳، [۳] حوالہ مذکور [۴] حوالہ مذکور ۱۲

فارغ ہو کر مکہ معظمہ آتے تو کعبۃ اللہ کا طواف تو کرتے لیکن صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم دورِ جاہلیت میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کو گناہ سمجھتے تھے اب کیا حکم ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

ان دونوں کے درمیان دوڑنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا ہے لہذا کسی کو اس کے چھوڑنے کا حق نہیں ہے۔ حضرت عروہ کہتے ہیں۔ میں نے یہ واقعہ ابوبکر بن عبدالرحمان کو سنایا تو وہ بولے واللہ واقعی یہ علم کی بات ہے۔ اور میں نے آج تک نہیں سنی تھی ؎

اسی طرح آپ کو سورۂ یوسف کے آخری رکوع کی آیت حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۔ میں غلط فہمی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا کہ اس آیت میں لفظ کذبوا کو تخفیف کے ساتھ پڑھیں گے یا تشدید کے ساتھ۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا تشدید کے ساتھ كُذِّبُوْا پڑھیں گے۔ ایسا پڑھنے سے آیت کے معنی یہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ جب رسول اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کی تکذیب کر دی گئی تو ان کے پاس ہماری مدد آئی، اس پر حضرت عروہؓ نے اعتراض کیا۔ اس گمان کا کیا معنی؟ رسولوں کو تو اپنی قوم کی تکذیب کا یقین تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا پیارے عروہ رضؓ! بے شک ان کو یقین تھا۔ ابھی کچھ کہنا چاہتی تھیں کہ عروہ درمیان میں بول اٹھے۔ شاید یہ لفظ وظنوا انھم قد کذبوا۔ تخفیف کے ساتھ ہو اس طرح پڑھنے سے بظاہر آیت کے معنی یوں ہوتے ہیں۔ رسولوں نے گمان کیا کہ ان سے خدا کی طرف سے مدد کا جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضؓ پکار اٹھیں۔ خدا کی پناہ! رسول اپنے رب کے متعلق ایسا گمان نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس آیت میں رسولوں کے اتباع مراد ہیں۔ جو خدا پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کر چکے تھے۔ ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور اللہ تعالیٰ کی امداد آنے میں دیر ہو گئی۔ حتیٰ کہ جب رسول مکذبین کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ اور مومنین کی پریشانی اور بے اطمینانی دیکھ کر انہیں گمان ہوا کہ وہ بھی ان کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ تو ان کے پاس ہماری امداد آئی ؎

؎ صحیح بخاری شریف نور محمدی دہلی ص ۲۲۲ ج ۱ ؎ بخاری شریف ص ۸۰۴ ج ۱ - ۱۲

حافظہ:

آپ کا حافظہ نہایت قوی اور یادداشت بڑی مضبوط تھی۔ بعض دوسرے علماء کی طرح آپ بھی کتاب اللہ کے سوا دوسری چیزوں کا لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، حفظ پر زیادہ اعتماد کے قائل تھے۔ اس لیے تحصیلِ علم میں تمام تردار و مدار قوتِ حفظ پر تھا۔ اور تحریر کا کام یادداشت سے لیتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

کنا نقول لا نتخذ کتابًا	ہم پہلے کتاب اللہ کے ساتھ کسی کتاب کے لکھنے کے
مع کتاب اللہ فمحوت	قائل نہیں تھے اسلیٔے میں نے اپنی کتابیں مٹا دیں۔ بخدا
کتبی فواللہ لوددت ان	اب میں چاہتا ہوں کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوتیں
کتبی عندی وان کتاب اللہ	کتاب اللہ تو اب بہت محفوظ اور مستحکم ہو چکی ہے، اور
قد استمرت سریرتہ [7]	اب اس میں کسی چیز کی آمیزش کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔

علم و فضل:

آپ نے شب و روز کی سعی و کوشش سے حضرت عائشہ رضؓ کے علاوہ مدینہ منورہ میں مقیم تمام صحابہ رضؓ کا علم بھی جمع کر لیا تھا۔ اپنے ہمعصر تابعین سے بھی کسبِ فیض کرنے میں سستی اور غفلت نہیں برتی تھی۔ بلکہ کلمۂ حکمت کو اپنی گمشدہ متاع سمجھ کر جہاں سے ملا حاصل کرنے کی پوری کوشش کی یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوا۔ اور آپ کے معاصرین نے آپ کو علم کا سمندر قرار دیا۔

حافظ العصر امام ابن شہاب الزہری فرماتے ہیں کان عروۃ بحرًا لا تکدرہ الدلاء [8]۔ عروہ علم کا بے پایاں سمندر تھے۔ پانی نکالنے والوں کے ڈول اُسے گدلا نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ عروہ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اور میں کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو انہیں معلوم ہو اور مجھے معلوم نہ ہو [9]۔ امام نووی لکھتے ہیں آپ کی جلالتِ قدر بلند مرتبہ اور وفورِ علم پر سب کا اتفاق ہے [10]۔ ابن العماد حنبلی لکھتے ہیں:

هو الفقيه الحافظ جمع العلم والسيادة والعبادة [11]۔

---

[7] تہذیب التہذیب ص ۱۸۷ ج ۷، [8] البدایہ ص ۱۰۲ ج ۹ و تہذیب التہذیب [9] البدایہ ص ۱۰۲ ج ۹

[10] تہذیب الاسماء واللغات ص ۳۳۲ ج ۱ [11] شذرات الذہب۔

حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں۔ عروۃ بن الزبیر الامام عالم المدینۃ ابو عبداللہ القرشی الاسدی المدنی[۱]

امام ابن شہاب زہری کہتے ہیں۔ میں نے قریش میں علم کے چار سمندر پائے ہیں۔ (۱) حضرت سعید بن المسیب رض (۲) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمان رض (۳) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین[۲]

آپ کی فراوانیٔ علم کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا کہ صحابہ کرام آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اور بہت سے پیش آمدہ مسائل ان سے پوچھتے تھے۔

حمید بن عبدالرحمان بن عوف فرماتے ہیں:

لقد رأیت الاکبر من اصحاب النبی صلعم یسألونہ[۳]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ رض کو دیکھا ہے کہ وہ آپ سے مسئلے پوچھا کرتے تھے۔

علم حدیث:

حدیث پاک آپ کا وہ مخصوص علم ہے کہ اگر اس کو آپ کا اوڑھنا بچھونا کہا جائے تو بے جا نہ ہو۔ اس کی طلب و جستجو میں آپ کی سعی و جانکاہی کا یہ حال ہے کہ آپ عنفوانِ شباب میں ہی اس میں کمال پیدا کر چکے تھے۔ اور اعلم الناس حضرت عائشہ رض کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی تمام احادیث کو لوحِ قلب پر لکھ چکے تھے۔ پھر ان کے علاوہ وہ کثیر الروایہ صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رض۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رض۔ حضرت انس رض اور حضرت ابوہریرہ رض وغیرہ کی صحبت میں رہ کر سالہا سال تک کسبِ فیض کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کا علم وہ اتھاہ سمندر بن گیا۔ جس میں کبھی گدلا پانی ظاہر نہ ہوا۔ کتب احادیث کو ایک نظر دیکھئے تو وہ آپ کو عن ہشام عن عروۃ سے بھری ہوئی نظر آئیں گی۔

اس لیے محمد بن سعد نے آپ کو ثقہ، عالم، مامون، اور کثیر الحدیث جیسی صفاتِ عالیہ سے موصوف کیا ہے[۵]۔ امام ابن شہاب زہری فرماتے۔ جب امام عروہ مجھے کوئی حدیث بیان کرتے۔ پھر میں وہی حدیث عمرۃ سے سنتا تو اس سے عروہ کی حدیث کی تصدیق ہو جاتی۔ جب میں نے ان دونوں کے تبحر علمی کا موازنہ کیا تو امام عروہ رح کو علم کا خشک نہ ہونے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص ۵۸ [۲] حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۸ ج ۲ [۳] تہذیب التہذیب ص ۱۸۳ [۴]، ۹۰ [۵] طبقات ابن سعد

والا سمندر پایا[16]۔ عجلی کہتے ہیں آپ تابعی، مدینے کے رہنے والے مخلص اور نیک آدمی تھے آپ زمانہ میں برپا ہونے والے تمام فتنوں سے کنارہ کش رہے[17]۔

باوجود کثیر الحدیث ہونے اور ساری عمر اس کی تعلیم و تدریس میں مصروف رہنے کے آپ کے صاحبزادے ہشام فرماتے ہیں۔

واللہ ما تعلمنا منہ جزءا من الفی جزء من حدیثہ[18]۔

بخدا ہم نے آپ کی حدیث کے دو ہزار حصوں میں سے ایک حصہ بھی نہیں سیکھا۔

غالباً اس تصریح کے بعد اب آپ کو امام ابن شہاب زہریؒ کے قول بحر لا ینزف (کہ آپ علم کا نہ خشک ہونے والا سمندر تھے) کو کسی قسم کے مبالغہ پر محمول کرنے کی حاجت باقی نہیں رہے گی۔

فقہ:

علم فقہ میں آپ کو وہ کمال حاصل تھا کہ آپ مدینہ منورہ کے ان سات شہرۂ آفاق فقہاء میں شامل تھے۔ جن کا فتویٰ لوگوں کے لیے اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر کا باعث ہوتا تھا حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ آپ مدینہ منورہ کے ان سات فقہاء میں سے ایک تھے۔ جن کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا تھا۔ اور ان دس فقہاء میں شریک تھے جن کے قول کی طرف حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی مدینہ منورہ کی گورنری کے زمانہ میں رجوع کیا کرتے تھے[19]۔ واقدی نے کہا ہے۔

کان فقیھا عالما حافظا ثبتا	آپ فقیہ، عالم، حافظ، ثقہ، حجت اور رسول اللہ
حجۃ عالما بالسیر وھو اول	صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو جاننے والے تھے
من صنف فی المغازی وکان	سب سے پہلے آپ نے مغازی میں کتاب لکھی۔
من فقہاء المعدودین ولقد	آپ کا شمار چوٹی کے معدودے چند فقہاء میں
کان اصحاب رسول اللہ صلی	ہوتا تھا اور اکثر صحابہؓ آپ سے مسائل پوچھا
اللہ علیہ وسلم یسألونہ۔	کرتے تھے۔

ص ۱۳۳ ج ۵ [16] تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۷، [17] البدایہ ص ۱۰۱ ج ۹ [18] تہذیب اسماء ص ۳۳۲ ج ۱۔

ابن سعد کہتے ہیں۔ آپ ثقہ، کثیر الحدیث محدث، عالی مقام فقیہہ، مامون اور ثبت تھے[۲۰]

ابن یونس نے تاریخ الغرباء میں لکھا ہے۔ وکان فقیھًا فاضلًا۔

آپ نے فقہ میں متعدد کتابیں بھی لکھی تھیں۔ جو آپ کی فقہی استعداد اور اجتہادی قابلیت کا بین ثبوت ہیں۔ آپ کے صاحبزادے ہشام فرماتے ہیں۔ حرہ کی جنگ میں میرے والد نے اپنی فقہ کی کتابیں جلادی تھیں۔ بعد میں بڑے پچھتائے اور فرماتے تھے آج اُن کا میرے پاس موجود ہوتا مجھے اپنے اہل وعیال کی موجودگی سے عزیز تر تھا[۲۲]

مسندِ تدریس:

رائج الوقت علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ مسجد نبوی میں مسندِ تدریس وتعلیم پر رونق افروز ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کی آرزو تھی اور اسی کے لیے آپ اپنی ابتدائی عمر میں داعی وساعی رہے۔ حتیٰ کہ آپ بفحوائے مَنْ جَدَّ وَجَدَ اس دیرینہ آرزو میں اعلیٰ پیمانے پر کامیاب ہوئے اور بقایا زندگی قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتے ہوئے صرف کردی۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے آپ کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کرایا ہے جو آپ کی زندگی پر بڑا مختصر اور کامیاب تبصرہ ہے۔

"حضرت عروۃ بن زبیرؓ مجتہد، بڑے عبادت گذار اور صائم الدہر تھے۔ آپ کی آرزو برآئی اور آپ کی خواہش کے مطابق لوگوں نے آپ سے علوم شریعت کے حصول میں بہت کچھ استفادہ کیا[۲۳]۔ آپ ان علوم میں اپنی لامتناہی اور مسلسل کوششوں کی وجہ سے سمندر کی سی گہرائی رکھتے تھے۔ مزید براں آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری سے بھی وافر حصّہ ملا تھا۔ اور اس سے آپ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ پھر جب رنج و محن میں مبتلا ہوئے تو اس میں بھی بے نظیر صبر و تحمل سے کام لے کر ثوابِ آخرت کا ذخیرہ حاصل کیا۔

---

[۱۹] البدایہ والنہایہ [۲۰] ابن سعد ص ۱۳۴ ج ۵ [۲۱] تہذیب التہذیب ص ۱۸۵ ج ۷، [۲۲] ابن سعد ص ۱۳۳ ج ۱ و تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۷، [۲۳] حلیۃ اولیاء ص ۱۷۶۔

آپ کا حلقہ درس بڑا آباد اور پُر ہجوم ہوتا تھا۔ لوگ کسب فیض کے لیے جوق در جوق جمع ہو جاتے اور اپنی علمی تشنگی بجھانے کا سامان فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں لوگ آپ سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے[۲۴]

تلاوت و عبادت:

آپ کو عبادت و مناجات سے بے حد محبت اور تلاوت قرآن حکیم سے شدید لگاؤ تھا دن بھر کے تدریسی مشاغل اور دوسری مصروفیات سے وقت بچا کر ہر روز بالالتزام ایک ربع قرآن کریم مصحف سامنے رکھ کر تلاوت فرماتے پھر اس کو رات کے وقت نوافل میں پڑھتے تھے اس معمول میں زندگی بھر فرق نہیں آنے دیا۔ نماز سے آپ کی شیفتگی اور دلبستگی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو یاد حق میں اس قدر محویت طاری ہوتی کہ ماسوا کی قطعاً خبر نہ رہتی۔ جب ایک شدید زخم کی وجہ سے آپ کا پاؤں کاٹنا ضروری ہو گیا تو اطبا نے شدتِ درد کو ہلکا کرنے کے لیے شراب اور دیگر خواب آور ادویہ پلانا چاہیں اور آپ کو پکڑنے کے لیے چند مضبوط آدمی بھی بلائے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کی مطلقاً حاجت نہیں ہے۔ مجھے نماز شروع کر لینے دو پھر جو جی میں آئے کرنا سب مجھے محسوس تک نہیں ہو گا۔ چنانچہ یہی ہوا آپ نماز میں مصروف رہے اور اطبا نے گھٹنے سے پاؤں کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا۔ آپ نے اف تک نہیں کی اور نہ کسی قسم کی مضطربانہ حرکت آپ سے ظہور پذیر ہوئی۔[۲۵]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ نماز بڑے سوز و گداز اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور اس میں اپنی ہر حاجت اللہ تعالےٰ سے چاہتے تھے۔ رسمی اور عاجلانہ نماز نہ اپنے لیے پسند فرماتے تھے اور نہ ہی دوسروں کے لیے، ایک دن ایک شخص کو جلدی جلدی اور ہلکی نماز پڑھتے دیکھا تو بیقرار ہو گئے۔ اسے بلایا اور کہا تمہیں اپنے رب سبحانہٗ و تعالےٰ کی طرف کوئی حاجت نہیں ؟ میں تو ہنڈیا کے لیے نمک تک کا اللہ تعالےٰ سے اپنی نماز میں سوال کرتا ہوں[۲۶]

☆☆☆☆☆☆☆☆

---

[۲۴] تذکرۃ الحفاظ ص ۸۵ ج ا [۲۵] البدایہ ص ۱۰۲ ج ۹ و ابن خلکان ص ۳۱۶ ج ا [۲۶] صفۃ الصفوہ ص ۲۸ ج ۲

روزہ:

آپ کو روزہ کے ساتھ بھی نماز اور دعا سے کچھ کم لگاؤ نہیں تھا۔ بلکہ اس سے قلبی تعلق اور محبت کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آپ عیدین اور ایام تشریق کے بغیر سارا سال روزہ رکھا کرتے تھے۔ سفر و حضر میں بھی کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے ہم اپنے والد حضرت عروہ کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ ہم کبھی روزہ رکھ لیتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ انہوں نے کبھی ہمیں روزہ کا حکم نہیں دیا۔ مگر وہ خود باقاعدگی سے روزے رکھا کرتے تھے[۲۷] اور جس روز آپ کا انتقال ہوا۔ اس دن بھی آپ روزہ سے تھے۔[۲۸]

حج:

آپ فریضہ حج سے بھی محروم نہیں رہے۔ امام مسلم کتاب التمییز میں فرماتے ہیں:

حج عروۃ مع عثمانؓ وحفظ	حضرت عروہ نے حضرت عثمانؓ کی معیت میں حج کیا
عن ابیہ فمن دونهما من	اور اپنے والد اور ان دونوں سے کم عمر صحابہ رضہ سے
الصحابۃ[۲۹]	حدیث حفظ کی۔

زیرکی و عقلمندی:

آپ بڑے سمجھدار اور عقل مند تھے۔ امام ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں:

کان من افاضل اھل المدینۃ	آپ مدینہ کے اصحاب فضل اور اہل فضل میں سے
وعقلائھم[۳۰]۔	تھے۔

آپ کی عقلمندی و دانائی کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

آپ اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضہ کی شہادت کے بعد عبدالملک کے پاس گئے۔ ایک دن موقعہ پا کر کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے میرے بھائی کی تلوار دے دیں۔ عبدالملک کہنے لگا تلواروں کے ڈھیر میں پڑی ہے۔ اور مجھے اس کی پہچان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جب تلواریں میرے پاس آ جائیں گی تو میں اسے خود پہچان لوں گا۔ عبدالملک نے تلواریں لانے کا حکم

---

۲۷ ابن سعد ص ۱۳۴ ج ۵ ۲۸ تذکرۃ الحفاظ ص ۵۹ ج ۱ ۲۹ تہذیب التہذیب ص ۱۸۵ ج ۷، ۳۰ تہذیب التہذیب ص ۱۸۴ ج ۷۔

دیا۔ جب آپ کے سامنے ڈھیر کردی گئیں تو آپ نے ایک دندانہ والی تلوار پکڑ لی اور فرمایا یہ میرے بھائی کی تلوار ہے۔ عبدالملک نے پوچھا آپ اسے پہلے سے پہچانتے تھے؟ بولے نہیں وہ کہنے لگا تو پھر اس کو کیسے پہچانا؟ فرمایا: نابغہ ذبیانی کے اس قول کی وجہ سے پہچانا ہے۔

وَلَا عَیْبَ فِیْھِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَھُمْ بِھِنَّ فُلُوْلٌ مِنْ قِرَاعِ الْکَتَائِبِ

میرے ممدوحین میں بجز اس کے اور کوئی عیب نہیں کہ لشکروں کے کاٹنے کے باعث ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد عبدالملک نے آپ سے کہا، عروہ اپنے والد زبیرؓ کی تلوار پہچانتے ہو۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ بولا اس میں کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا اس میں دندانہ ہے جو جنگ بدر میں اس کی دھار میں پڑ گیا تھا۔ عبدالملک نے کہا آپ ٹھیک کہتے ہیں ۔

بھن فلول من قراع الکتائب

پھر اس نے یہ تلوار آپ کے حوالہ کردی آپ کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد ہم سب بھائیوں نے اس کی قیمت تین ہزار مقرر کردی، ہم میں سے ایک نے یہ قیمت ادا کر کے تلوار اپنے قبضہ میں کرلی! کاش اسے میں خرید لیتا ہے[۳۲] ہوسکتا ہے یہ وہی تلوار ہو جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس وقت حضرت عبداللہ کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کی گئی ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دوسری ہو واللہ اعلم!

سفر شام اور رنج و محنت کا آغاز:

مورخین کا بیان ہے کہ آپ اپنی کسی حاجت کے لیے ولید بن عبدالملک کے پاس دمشق گئے، ابھی کچھ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ آپ کے پاؤں میں ایک خبیث ورم نمودار ہوا۔ خیال نہیں تھا کہ یہ کوئی خطرناک صورت اختیار کرے گا، اس لیے واپس آنے کی بجائے آپ نے اپنے مقصد کی طرف سفر جاری رکھا۔ مگر یہ زخم بڑا ہی ہولناک ثابت ہوا، اس نے دمشق پہ پہنچنے تک آپ کی نصف پنڈلی کھالی۔ ولید کے پاس پہنچے تو اس نے ماہر فن اطبا کو جمع کیا۔ سب

---

[۳۱] ابن خلکان ص ۳۱۷ ج ۱ [۳۲] صحیح بخاری مع فتح الباری ص ۱۱ جز ۱۶

نے بالاتفاق پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ اور کہا بصورت دیگر یہ زخم ساری ٹانگ کھا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے آگے ترقی کر کے سارے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور جان کے لالے پڑ جائیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ نے بھی اطباء کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور پاؤں کٹوانے کے لیے رضامند ہو گئے۔ جب ضروری سامان مہیا ہو گیا تو اطباء نے درد کا احساس کم کرنے کے لیے پہلے آپ کو کوئی خواب آور دوا کھلانا چاہی مگر آپ نے ایسی کوئی بھی دوا کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی عقلمند ایسی چیز کھانے پر تیار ہو گا جو اس کی عقل کو ضائع کر دے۔ اگر آپ احتیاطاً کچھ ایسا انتظام ضروری سمجھتے ہیں تو اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ مجھے نماز شروع کر لینے دیں۔ پھر مجھے درد کا احساس نہیں ہو گا۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے نماز شروع کر دی اور اطباء نے ماؤف جگہ سے اوپر (تاکہ بیماری کا احتمال نہ رہے) گھٹنے کے پاس سے آری کے ساتھ آپ کی ٹانگ کاٹ دی۔ واللہ۔ آپ نے نہ تو کوئی جھرجھری لی۔ اور نہ چیخ و پکار کی آواز آپ کے منہ سے نکلی۔[۳۳]

یہ ساری تکلیف آپ نے اس طرح صبر و سکون سے برداشت کی گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ ولید کو جو اس مجلس میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا اس وقت پتہ چلا جب آپ کی ٹانگ کو داغ دینے کے لیے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا۔ اور گوشت کے جلنے کی بُو اس کے دماغ میں پہنچی۔[۳۴] جب مرہم پٹی ہو چکی اور آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ولید نے آپ کی ٹانگ کے بارے میں تعزیت کی۔ آپ نے فرمایا خدایا! تیرا شکر ہے۔ میرے چار اعضاء تھے ایک تو نے لے لیا ہے۔ اگر ایک لے لیا تو تین باقی چھوڑے ہیں۔ اب اگر تو نے مصیبت دی ہے تو ایک طویل عرصہ تک صحت سے بھی تو نے ہی نوازا تھا۔ جو تو نے لے لیا ہے، اور جو تو نے عطا فرمایا ہے اس پر تیرا شکر ہے۔[۳۵]

ایک روایت میں ہے پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ ناقابلِ برداشت درد کی وجہ سے زیادہ تکلیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا میں جس علاج میں اللہ تعالیٰ سے صحت کی امید کرتا ہوں، اس میں حرام سے مدد لینا نہیں چاہتا۔ طبیب نے کہا پھر کوئی اور

---

[۳۳] البدایہ ص ۱۰۲ ج ۹ [۳۴] ابن خلکان ص ۳۱۶ ج ۱ [۳۵] البدایہ ص ۱۰۲ ج ۹

خواب آور دوا استعمال کر لیجئے۔ فرمایا میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی عضو کٹے اور مجھے درد کا احساس نہ ہو۔ میں درد کے احساس پر حصولِ ثواب کا امیدوار ہوں۔ پھر جب پاؤں کاٹنے کا وقت آیا تو چند مضبوط آدمی بلائے گئے۔ پوچھا یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ اطبا نے کہا یہ لوگ آپ کو پکڑیں گے۔ کیونکہ شدتِ درد کی وجہ سے آدمی کا صبر و قرار جواب دے جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ چھری سے تمام گوشت کاٹا گیا۔ ہڈی پر آری چلائی گئی۔ اور آپ نمازِ تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔ جب آپ کا پاؤں داغ دینے کے لیے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا۔ تو آپ پر معمولی غشی طاری ہوئی مگر جلد ہی ہوش میں آ گئے۔ طبیب کے ہاتھ میں پاؤں دیکھ کر منگوایا اور اپنے ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر سے دیکھا اور فرمایا اس خدا کی قسم جس نے اتنی عمر مجھے تیرے ذریعہ چلنے کی قدرت عطا فرمائی وہ جانتا ہے کہ میں تجھ پر چل کر کبھی کسی حرام کی طرف نہیں گیا۔[۳۶]

مزید تکالیف:

آپ کی آزمائش اور تکلیف کا اسی پر خاتمہ نہیں ہوا۔ بلکہ اسی ابتلا میں جب آپ کو ہر طرح کے آرام اور سکونِ قلب کی سخت حاجت تھی۔ آپ کو اس سے بھی زیادہ دل گداز اور روح فرسا صدمہ پیش آیا ہوا یوں کہ آپ کا بڑا لڑکا محمد جو آپ کا رفیقِ سفر تھا اور جس سے آپ کو بیحد محبت تھی۔ مکان کی چھت سے اصطبل میں گرا اور اسے گھوڑوں نے اپنے پاؤں تلے کچل دیا۔ اور وہ موقعہ پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ لوگوں نے آ کر اطلاع دی تو اس مجسمۂ صبر نے فرمایا اللہ تیرا شکر ہے یہ سات بھائی ہیں۔ ایک تو نے لے لیا۔ اور چھ کو باقی چھوڑا ہے اگر تو نے مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ تو دیر تک خیر و عافیت سے بھی ہمکنار رکھا ہے اگر تو نے یہ فرزند لے لیا ہے تو عطا بھی تو تو نے ہی کیا تھا۔[۳۷]

تسلیم و رضا:

جب آپ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کی طرف رجعت فرمائی تو تسلیم و رضا کا یہ حال تھا کہ آپ نے قطعاً اپنے پاؤں کے کٹنے یا اپنے بیٹے کے مرنے کا ذکر نہیں کیا۔ جب

---

۳۶ ابن خلکان ص ۱۷، ۱۳ ج ۱ ۔ ۳۷ البدایہ ص ۱۰۲ ج ۱

وادی القریٰ میں پہنچے جہاں آپ کے پاؤں میں تکلیف شروع ہوئی تھی تو صرف اتنا کہا:

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔ — ہمیں اپنے اس سفر میں بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

جب آپ مدینہ منوّرہ پہنچے تو لوگ آپ کے پاؤں کے کٹنے اور بیٹے کی وفات پر تعزیت کرنے کے لیے آئے۔ اسی دوران کسی نے کہا بعض کا خیال ہے کہ آپ سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو گا جس کی آپ کو یہ سزا ملی ہے اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

لعمرك ما اھویت کفّی لریبۃٍ ولا حملتنی نحو فاحشۃٍ رجلی

واللہ میں نے کسی مشکوک چیز کی طرف کبھی اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور نہ کسی بے حیائی کی طرف میرے پاؤں مجھے اٹھا کر لے گئے۔

ولا قادنی سمعی ولا بصری لھا
ولا دلّنی رأیی علیھا ولا عقلی

نہ میرے کان اور آنکھ نے بے حیائی کی طرف میری رہنمائی کی اور نہ میری رائے اور عقل نے مجھے یہ راستہ دکھایا۔

تعزیت:

آپ کے پاؤں کٹنے اور بیٹے کی وفات پر سب سے اچھی تعزیت وہ ہے جو ابراہیم بن محمد بن طلحہ نے کی اس نے کہا واللہ! آپ کو اب جینے کی ضرورت ہے نہ سعی و عمل کی حاجت۔ آپ کا ایک عضو اور ایک بیٹا جنت میں پہلے پہنچ چکے ہیں۔ اور ان شاء اللہ کل بھی جزو کے پیچھے جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس لیے زندگی بخشی کہ ہمیں آپ کے علم اور مفید مشوروں کی ضرورت ہے۔ جن سے ہم کسی طرح مستغنی اور بے نیاز نہیں۔ خداوند کریم ہمیں اور آپ کو اس سے متمتع فرمائے اور آپ کو اجر جزیل عطا کرے۔ وہی آپ کے حساب کا کفیل ہے۔[۳۸]

ایک عبرت انگیز واقعہ:

بنو عبس کا ایک نابینا آدمی ولید کے پاس آیا۔ ولید نے اس سے آنکھیں ضائع ہونے کا

---

[۳۸] ابن خلکان ص ۳۱۷ ج ۱

سبب پوچھا تو اس نے کہا امیر المومنین! میں اپنی قوم کا امیر کبیر آدمی تھا۔ ایک رات ایک وادی میں اترا ہوا تھا کہ سیلاب آیا اور میرا تمام مال و اسباب اور اہل و عیال بہا کر لے گیا۔ بجز ایک نومولود بچے اور ایک اونٹ کے کچھ نہ بچا۔ اونٹ بڑا اڑیل تھا۔ کسی طرح مجھ سے چھوٹ گیا میں بچے کو زمین پر لٹا کر اس کے پیچھے دوڑا ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ بچے کی چیخ سنائی دی پلٹ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسے بھیڑیا اٹھائے گیا ہے۔ اور اس نے اس کا سر چبا ڈالا ہے جب کچھ پیش نہ گئی تو اونٹ کے پاس پہنچا۔ اسے پکڑنے لگا تو اس نے میرے منہ پر اس زور کی لات ماری کہ میرا چہرا ٹوٹ گیا اور آنکھیں جاتی رہیں۔ اب میرے نہ اہل ہے نہ اولاد ہے نہ مال و متاع ہے۔ نہ آنکھیں ہیں۔ ولید یہ ماجرا سن کر بولا۔ اسے حضرت عروہ رح کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دنیا میں ایسے بھی ہیں جن پر ان سے زیادہ آزمائشیں اور مصیبتیں آئی ہیں[۳۹]۔

جود و سخا:

آپ بہت بڑے فیاض تھے، غربا و مساکین کی اعانت اپنا فرض سمجھتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کھجوریں تیار ہو جاتیں تو اپنے باغ کی دیوار توڑ دیتے لوگ آ کر کھاتے اور حسب حاجت اٹھا کر بھی لے جاتے۔ پھل ختم ہو جانے کے بعد آپ دیوار کی پھر مرمت کر دیتے[۴۰]۔ آپ باغ میں داخل ہوتے تو نکلنے تک یہ آیت ورد زبان رہتی۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ط

مصر میں قیام:

ابن یونس تاریخ الغربا میں لکھتے ہیں کہ آپ مصر تشریف لائے بنو وعلہ کی ایک عورت سے شادی کی اور سات سال وہاں مقیم رہے[۴۱]۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ زندگی کے کس حصہ میں وہاں تشریف لے گئے اور کیا شغل اختیار کیا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سفر شام سے پہلے ہی وہاں گئے ہوں گے اور تعلیم و تدریس ہی سے واسطہ رکھا ہو گا واللہ اعلم بالصواب۔

عقیق میں اقامت:

آپ نے اپنے زندگی کے آخری ایام میں مدینہ منورہ کو چھوڑ کر عقیق میں سکونت اختیار کر

---

[۳۹] ابن خلکان ص ۳۱۶ ج ۱ [۴۰] ایضاً ص ۳۱۷ ج ۱ [۴۱] البدایہ ص ۱۰۳ ج ۱ [۴۲] تہذیب التہذیب ص ۱۸۵ ج ۵ - ۱۲

لی تھی، عبداللہ بن حسن اس کا سبب یوں بیان کرتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین اور حضرت عروہ کا معمول تھا کہ ہر روز عشاء کی نماز کے بعد مسجد کے آخری حصّہ میں بیٹھ جاتے اور دیر تک گفتگو میں مصروف رہتے۔ مجھے بھی ان کی مجلس میں حاضر رہنے کا شرف حاصل تھا ایک دن بنوامیہ کے جور و جفا کا ذکر چھڑ گیا دونوں تغییر منکر کی استطاعت نہ ہونے کے باوجود ان میں گھل مل کر رہنے کے باعث عذابِ الٰہی سے ڈرنے لگے کہ کہیں ہم بھی ظالموں کے ساتھ اس کی لپیٹ میں نہ آجائیں، حضرت عروہ نے کہا اے علی! جو ظالموں سے ان کے اعمال بد پر انکار کی وجہ سے ایک میل بھی دور ہو جائے تو ان پر آنے والے عذاب سے اس کی نجات کی امید ہو سکتی ہے، چنانچہ اس کے بعد آپ نے اپنی رہائش عقیق میں اختیار کر لی۔[۴۳]

ملفوظات:

آپ سے بہت سے ملفوظات منقول ہیں جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور اس لائق ہیں کہ انہیں مشعلِ راہ بنایا جائے۔ چند ایک ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ رب کلمۃ ذل احتملتھا اورثتنی عزا طویلا[۴۴]	بہت ایسا ہوا کہ میں نے ذلت کی بات برداشت کی اور مجھے اس سے دیرپا عزت حاصل ہوئی۔
۲۔ قال لبنیہ یا بنی لا یھدین احدکم الی ربہ عزّ وجلّ ما یستحی ان یھدیہ الی کریمہ فان اللہ عزّ وجلّ اکرم الکرماء واحق من اختیر لہ[۴۵]	اے میرے بیٹو! اللہ عزّ وجل کے نام پر وہ چیز نہ دینا جسے اپنے عزیز کو دیتے ہوئے شرم محسوس کرو۔ اللہ عزّ وجل سب سے زیادہ لائق احترام ہے اور اس کا حقدار ہے کہ اس کے نام پر پسندیدہ چیز دی جائے۔
۳۔ یا بنیّ تعلّموا فانکوان تکونوا صغار قوم عسیٰ ان تکونوا کبارھم[۴۶] واسوأتاہ ماذا اقبح من شیخ جاھل	بیٹو! علم سیکھو اگر آج تم قوم کے چھوٹے بچے ہو تو کل اس کے بڑے آدمی ہو گے۔ ہائے بدنصیبی بڈھا جاہل کتنا برا معلوم ہوتا ہے۔
۴۔ اذا رأیتم خلۃ شر رائعۃ من رجل	جب کسی آدمی میں کوئی بد عادت دیکھو، تو خواہ وہ

---

[۴۳] ابن سعد ص ۱۳۵ ج ۵ [۴۴] حلیۃ الاولیاء ص ۱۷۷ ج ۲ [۴۵] ایضاً ص ۱۷۷ ج ۲ [۴۶] صفۃ الصفوۃ ص ۴۷ ج ۴

فاحذروہ وان کان عند الناس رجل صدق فان لہا عندہ اخوات واذا رأیتم خلۃ خیر رائعۃ من رجل فلا تقطعوا عنہ یاسکم وان کان عند الناس رجل سوء فان لہا عندہ اخوات [۴۷]

لوگوں کے نزدیک اچھا آدمی ہی ہو تم اس میں ایسی بد خصلتیں اور بھی ہوں گی اور جب تم کسی میں کوئی نیک عادت دیکھو تو خواہ وہ لوگوں کے نزدیک برا ہو تم اس سے مایوس نہ ہو کیونکہ اس میں ایسی اور بھی بہت سی نیک خصلتیں پائی جائیں گی۔

۵۔ تعلموا العلم تسودوا بہ ویحتاجوا الیکم [۴۸]

علم سیکھو اس کی وجہ سے تمہیں سرداری حاصل ہو گی اور لوگ تمہارے محتاج ہو جائیں گے۔

جب ان پر مسجد نبوی چھوڑ کر عقیق میں عزلت گزینی پر اعتراض کیا گیا تو فرمایا:

رأیت مساجدہم لاہیۃ واسواقہم لاغیۃ والفاحشۃ فی فجاجہم شائعۃ فکان فیما ہنالک عما فیہ عافیۃ [۴۹]

میں نے ان کی مساجد کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی بازاروں کو شور وشغب سے بھرپور اور گلی کوچوں کو بے حیائی سے معمور دیکھا تو اس عزلت نشینی میں عافیت محسوس کی۔

اولاد واحفاد:

آپ کثیر الاولاد تھے۔ نو بیٹوں اور آٹھ بیٹیوں کے باپ تھے۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، عمر، اسود، یحییٰ، محمد، عثمان، ابوبکر، ہشام، عبیداللہ۔ یہ مختلف بیویوں اور کنیزوں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ہشام بہت بڑے فقیہہ، کثیر الروایۃ محدث اور اپنے وقت کے امام تھے اور ابن شہاب زہریؒ کے ہم رتبہ تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۴۶ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ آپ کے ایک بیٹے عمر بن عروۃ اپنے چچا عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ بنو امیہ کے خلاف لڑے اور اپنے چچا کے ساتھ ہی جام شہادت نوش فرمایا۔[۵۰]

آپ کے پوتے عمر بن عبداللہ بن عروہ محدث تھے۔ ان کو آپ سے سماع حاصل تھا۔ اور اپنے والد عبداللہ سے بھی روایت کرتے تھے۔ آپ کے پانچ بیٹوں عبداللہ، عثمان،

---

[۴۷] حلیۃ الاولیاء ص ۱۷۷ ج ۲ [۴۸] تہذیب التہذیب ص ۱۸۲ ج ۷، [۴۹] طبقات کبریٰ للشعرانی [۵۰] تہذیب التہذیب ص ۴۹۶ ج ۷

ہشام۔ محمّد اور یحییٰ کو بھی آپ سے سماع حاصل تھا۔ دوسرے لوگوں کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

تلامذہ:

آپ سے بے شمار لوگوں نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تہذیب التہذیب میں آپ کے تلامذہ کی طویل فہرست دی ہے۔ چند قابلِ ذکر اسماء درج ذیل ہیں۔

سلیمان بن یسار۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمان۔ ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری۔ عبید اللہ بن عبد اللہ ابو بکر بن محمّد بن عمرو بن حزم۔ ابو الزناد۔ ابن ابی ملیکہ، عطاء بن ابی رباح، حضرت عمر بن عبد العزیز۔ عمرو بن دینار، محمّد بن ابراہیم التیمی۔ محمّد بن منکدر اور یحییٰ ابن کثیر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وفات:

آپ نے ۷۵ سال عمر پاکر بروز جمعہ ۹۴ھ ہجری کو ولید بن عبد الملک کے عہدِ حکومت میں وفات پائی۔ اور فرع کے قریب مجاح نامی جگہ میں (جہاں آپ کی زمین اور باغات تھے) آپ کے جسدِ مبارک کو سپردِ خاک کیا گیا۔

تغمدہ اللہ برحمتہ الواسعۃ الکاملۃ

۲۔ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ علیہ

نام و نسب :

آپ کا نام خارجہ بن زید اور کنیت ابو زید تھی۔ آپ ۳۱ھ کو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضہ کی خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابت رضہ کے لختِ جگر تھے۔ اور انصار کے قبیلہ بنو نجار سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے والد حضرت زید رضہ کاتبِ وحی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت زید رضہ کی عمر گیارہ سال تھی۔ بڑے ذہین و فطین تھے ابتداء میں جب کوئی مسلمان سریانی زبان نہیں جانتا تھا اہل کتاب سے خط و کتابت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودِ مدینہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ مگر ان کے خبثِ باطن کی وجہ سے آپ کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔ اس لیے حضرت زید رضہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ تو انھوں نے صرف پندرہ دن میں یہ زبان سیکھ لی۔ اور اتنی استعداد پیدا کر لی کہ اس میں بخوبی خط و کتابت کر سکتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل کتاب سے جملہ خط و کتابت آپ ہی کی وساطت سے ہوتی تھی۔[۱]

صغر سنی کی وجہ سے آپ غزوہ بدر اور احد میں شریک نہیں ہو سکے۔ پہلے پہل غزوۂ احزاب میں حصہ لیا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ غزوہ تبوک میں اپنے قبیلہ بنو نجار کے علمبردار تھے۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآنِ حکیم حفظ کر لیا تھا۔ اور ان کے حق میں آپ نے فرمایا۔

من احب ان یقرأ القرآن غضا فلیقرأہ بقرأۃ زید[۳]

---

[۱] الاصابہ ص ۲۳ ج ۳ و تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۴۴۲ ج ۵ [۲] حوالہ مذکور [۳] ایضاً ص ۴۴۵ ج ۵۔

یہی وجہ ہے کہ جب عہد صدیقی میں قرآن حکیم کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی نگاہِ انتخاب ان ہی پر پڑی اور ان کو اس خدمت پر مامور فرما دیا۔ جسے انہوں نے باحسن وجوہ سرانجام دیا۔ اور قرآن حکیم کے جامعِ اول کے اونچے لقب سے سرفراز ہوئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ نے اپنی خلافت میں قرآن نقل کر کے سلطنت کے ہر حصہ میں بھیجنے کے لیے چار آدمیوں کی جو کمیٹی مقرر فرمائی تھی آپ اس کے بھی رکن رکین تھے۔ علم میراث میں آپ کو بڑا رتبہ حاصل تھا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرضکم زید کہہ کر اس کی تصدیق فرمائی ہے[4]۔ حساب میں بھی آپ کی قابلیت قابلِ رشک تھی۔ اس لیے فاروقِ اعظم رضؓ نے آپ کو جنگِ یرموک کی غنیمتیں تقسیم کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں تو آپ بیت المال کے انچارج یا بالفاظِ دیگر وزیر خزانہ تھے[5]۔

حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت کا یہ حال تھا کہ جب یہ اپنی خلافت میں حج یا کسی دوسرے سفر پر مدینہ سے باہر جاتے تو ان کو قائم مقام خلیفہ مقرر کر جاتے تھے[6]۔

حضرت عمر رضؓ تو اکثر سفر سے واپس آ کر انہیں خرما کا ایک باغ بطور جاگیر عطا فرمایا کرتے تھے[7]۔ الغرض حضرت زید رضؓ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ جب ان کی وفات کے بعد انہیں لحد میں اتارا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا جو شخص علم کو مٹتا دیکھنا چاہتا ہے وہ دیکھ لے کہ علم اس طرح مٹتا ہے۔ واللہ آج بہت بڑا علم دفن کر دیا گیا ہے[8]۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا آج امت کا ایک نامی گرامی عالم انتقال کر گیا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ ابن عباسؓ کو ان کا جانشین اور خلیفہ بنا دے[9]۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے آپ کے مرثیہ میں کہا ؎

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ۔ ومن للمعانی بعد زید بن ثابت ۔

حسان اور اس کے بیٹے کی وفات کے بعد شعر کون کہے گا۔ اور زید بن ثابتؓ کے بعد

---

[4] الاصابہ ص ۲۲ ج ۱ [5] تہذیب الاسماء ص ۲۰۱ ج ۱ [6] حوالہ مذکور [7] الاصابہ ص ۲۳ [8] تہذیب التہذیب ص ۳۹۹ ج ۳ [9] الاصابہ ص ۲۳ ج ۳

اب علم کے معانی کون بیان کرے گا۔[۱]

حضرت خارجہ کی تعلیم و تربیت :

حضرت خارجہ کے والد حضرت زید رضہ ہمیشہ اُونچے اور ممتاز عہدوں پر فائز رہے اسلیے کافی خوشحال تھے۔ اللہ تعالٰے کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ معاشی پریشانیوں سے پوری طرح آزاد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے لختِ جگر حضرت خارجہ کو دلجمعی اور سکونِ خاطر کے ساتھ اعلٰی تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ سِن رشد کو پہنچنے کے بعد دوسرے صحابہ رضہ کے بچوں کی طرح آپ بھی تحصیلِ علم میں مصروف ہوئے۔ اعلٰی سے اعلٰی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع گھر میں ہی موجود تھے۔ مہبطِ وحی مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اجلیل القدر صحابہ رضہ کی کمی نہیں تھی آپ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور ان کے علم و ہنر کو اپنے قلب و دماغ میں محفوظ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ کلمۂ حکمت کو اپنی گمشدہ متاع جان کر ہر جگہ سے حاصل کرنے کی اس قدر جان توڑ کوشش کی کہ عنفوانِ شباب میں ہی آپ نے اہلِ علم میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا۔ پھر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، آپ کے علم میں سمندر کی سی وسعت پیدا ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ وہ دن آیا کہ آپ کا شمار گنتی کے ان چند علماء میں ہونے لگا۔ جن کو دنیا فقہائے سبعہ کے نام سے جانتی ہے۔ امت کا اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں باوجود ماہر اور قابل ترین علماء کی فراوانی کے علمی برتری، فقہی تفوق اور اجتہادی استعداد کا یہ مقام ان سات حضرات کے علاوہ کسی دوسرے کے حصّے میں نہیں آیا۔

اساتذہ :

آپ کو اپنے والد حضرت زید رضہ، والدہ حضرت ام سعد بن سعد بن ربیع اور چچا یزید بن ثابت کے علاوہ بہت سے عظیم المرتبت صحابہ و تابعین سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضہ۔ حضرت سہل بن سعد رضہ، حضرت عبدالرحمان بن ابی عمرہ اور ام العلا انصاریہ وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

---

[۱] الاصابہ ص ۲۲۲ ج ۳۔

حدیث اور فقہ میں تبحر:

علوم شریعت میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ علمائے اسلام نے حدیث اور فقہ میں آپ کے تبحر اور مرتبۂ عالیہ کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے نیز کتاب و سنت اور دیگر متعلقہ علوم کی نشر و اشاعت میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو نہایت شاندار الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

كان اماماً بارعاً فى العلم و اتفقوا على توثيقه وجلالته وهو احد فقهاء المدينة السبعة [۱۱]	آپ علم میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ مرتبۂ امامت پر فائز تھے۔ آپ کی توثیق اور جلالت قدر پر علماء کا اتفاق ہے مدینے کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔

ابن سعدؒ لکھتے ہیں:

كان ثقة كثير الحديث [۱۲]	آپ لائق اعتماد، ثقہ اور بہت حدیث بیان کرنے والے تھے۔

امام الجرح والتعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے آپ کو مدینہ طیبہ کے اونچے طبقہ کے محدثین میں شمار کیا ہے۔[۱۳]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هو من فقهاء المدينة المعدودين احد الفقهاء السبعة الذين مدار الفتوى على قولهم۔ [۱۴]	آپ کا شمار مدینہ کے ان معدودے چند فقہاء میں ہے جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں اور فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ جن کے اقوال پر فتوے کا دارو مدار رہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

احد الفقهاء من كبار العلماء [۱۵]	آپ چوٹی کے علماء اور فقہاء میں سے ہیں۔

---

[۱۱] تہذیب الاسماء ص ۷۳ ج ۱ [۱۲] ابن سعد ص ۱۹۴ ج ۵ [۱۳] تہذیب تاریخ عساکر ص ۲۵ ج ۵ ۱۲۷۵ سنہ

[۱۴] البدایہ ص ۱۸۷ ج ۹ [۱۵] تذکرۃ ص ۸۶ ج ۱۔

قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں:

كان خارجة تابعياً جليل القدر ادرك عثمان هو احد الفقهاء السبعة

خارجہ جلیل القدر تابعی اور فقہائے سبعہ کے رکن ہیں انہوں نے حضرت عثمانؓ کا زمانہ پایا ہے۔

ابن خراش فرماتے ہیں:

خارجة رجل من كل من اسمه خارجه [۱۷]

جن لوگوں کا نام خارجہ ہے حضرت خارجہ بن زید کو ان سب پر فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔

ابن العماد حنبلی لکھتے ہیں:

خارجة بن زيد الانصاری المدنی المفتی احد الفقهاء السبعة تفقه علی والده [۱۸]

خارجہ مدینہ کے مفتی اور فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں آپ نے علم فقہ اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔

مسندِ درس:

دوسرے محدثینِ کرام اور فقہائے عظام کی طرح آپ نے بھی تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔ حیاتِ گرانمایہ کا ایک ایک لمحہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ مدینہ طیبہ میں علم و عرفان کے دریا بہا دیئے۔ جس سے مقامی اور بیرون جات کے طلباء نے اپنی اپنی حاجت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیض حاصل کیا۔

افتاء:

تعلیمی و تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ تقسیم میراث، فتویٰ نویسی، اور وثیقہ نویسی کے فرائض بھی آپ سے متعلق تھے۔ یہ ایسے مشکل اور کٹھن شعبے ہیں کہ بجز چوٹی کے معدودے چند آدمیوں کے کسی کو ان سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کی کم ہی ہمت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ شریف میں حضرت خارجہ اور طلحہ بن عبداللہ بن عوف دو شخص تھے جن کی طرف عموماً لوگ اس

---

[۱۶] ابن خلکان ص ۱۶۸ ج ۱ [۱۷] تہذیب التہذیب ص ۳۵۹ ج ۲ شذرات الذہب ص ۱۱۸ ج ۱ [۱۸] شذرات الذہب ص ۱۱۸ جلد ۱۔

سلسلہ میں رجوع کرتے تھے۔ مصعب بن عبداللہ فرماتے ہیں۔

کان خارجة وطلحة بن عبداللہ ابن عوف فی زمنهما یستفتیان وینتهی الناس الی قولهما و یقسمان المیراث بین اهلها من الدور والنخل والاموال و یکتبان الوثائق للناس ۔[1]

لوگ خارجہ بن زید اور طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے فتوٰی طلب کرتے تھے اور ان کے فتوے سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ یہی دونوں اہل میراث کے درمیان مکانات، باغات اور دیگر ہر قسم کا مال بھی تقسیم کرتے تھے۔ لوگ وثیقہ جات اور دوسری ضروری دستاویزات بھی انہی سے لکھواتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وکان یفتی بالمدینة وکان عالماً بالفرائض وتقسیم المیراث ۔[2]

آپ مدینہ طیبہ کے مفتی اعظم علم فرائض کے عالم اور تقسیم میراث کے خصوصی ماہر تھے۔

سلیمان بن عبدالرحمان فرماتے ہیں:

ادرکت رجالاً من المهاجرین ورجلاً من الانصار یفتون بالمدینة من الانصار خارجة ثم ذکرهم ۔[1]

مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار میں بہت لوگ فتوے دیتے تھے۔ انصار میں سے حضرت خارجہ کو اس فن میں ممتاز مقام حاصل تھا پھر اس نے ایک ایک کا نام بتایا۔

خلفاء کے نزدیک قدر و منزلت:

علماء میں آپ کے مرتبہ و مقام کا بالاجمال ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ امراء و سلاطین کے نزدیک بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مجلس شوریٰ کے آپ رکن تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضہ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ایک قتل کے سلسلہ میں انصار کے وفد کے ہمراہ حضرت معاویہ رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ان کے مطالبات بڑے غور سے سنے۔ اور گورنر مدینہ سعید بن عاص کی طرف ان کی دادرسی کا فرمان جاری

---

[1] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۲۵ و تہذیب التہذیب ص ۷۸ ج ۳ [2] البدایہ ص ۱۸۷ ج ۹ [1]

تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۲۵۔

کیا۔ جس کے دیکھتے ہی سعید نے ان کا حق انہیں دلوایا۔[۲۲]

عام حالات:

آپ خوبصورت اور بلند و بالا تھے۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ خز کی چادر اور کسنبہ سے رنگا ہوا کمبل اوڑھتے تھے۔ سر پر سفید عمامہ باندھتے تھے۔ کثرت سجود کی وجہ سے پیشانی پر سیاہ داغ نمودار ہو گئے تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی مدینہ طیبہ میں بسر کی۔ مگر گاہے گاہے اموی حکومت کے دارالخلافہ دمشق میں تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔ جب وہاں جانے کا اتفاق ہوتا تو اس میں فروکش ہوتے۔

تلامذہ:

آپ سے مقامی اور بیرونی بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔ ان میں سے مندرجہ ذیل خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت سالم بن عبداللہ۔ آپ کا صاحبزادہ سلیمان۔ بھتیجے سعید بن سلیمان بن زید اور قیس بن سعد بن زید۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان۔ محمد بن عبداللہ، مجالد بن عوف عثمان بن حکیم مطلب بن عبداللہ۔ ابو بکر بن عمرو بن حزم، امام ابن شہاب زہری اور ابوالزناد وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اولاد:

آپ صاحبِ اولاد تھے۔ آپ کے ہاں زید، عمر، عبداللہ اور محمد چار لڑکے اور حبیبہ حمیدہ، ام لمی اور ام سلیمان چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان سب کی والدہ ام عمرو بنت حزم انصاریہ نجاریہ تھیں۔

وفات:

جب عمر کا رہوار ۷۰ منزلیں طے کر چکا تو آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے ستر سیڑھیاں تعمیر کی ہیں۔ فارغ ہو کر پیچھے ہٹے ہی تھے کہ سب دھڑام سے زمین پر آ رہیں آپ نے فرمایا میری عمر کے بھی ستر سال پورے ہو چکے ہیں۔ چنانچہ چند ہی دن گذرے تھے۔

---

[۲۲] تہذیب ابن عساکر ص ۲۴۴ ج ۵

کہ آپ ستر سال عمر پاکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں سن۱ھ کو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو فرمایا:

واللہ ثلمۃ فی الاسلام
تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ۔

بخدا ان کی وفات سے سرحدِ اسلام میں شگاف
پڑ گیا ہے۔

۴۔ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ رضی اللہ علیہ

نام و نسب:

آپ کا نام عبیداللہ اور ابو عبداللہ کنیت ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی۔ آپ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ کا صغار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ یا چھ سال تھی ان کے صاحبزادے حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ یاد ہے؟ فرمایا ہاں مجھے یاد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے اور میری اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی اس وقت میں پانچ یا چھ برس کا تھا۔[1]

علامہ ابن عبدالبر نے آپ کو کبار تابعین میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت عمر انہیں عامل مقرر کیا کرتے تھے۔ اس پر امام نووی فرماتے ہیں، انہیں حضرت عمرؓ کے عامل مقرر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کئی سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے[2] آپ کوفہ میں نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر تھے۔ ۷۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

حضرت عبیداللہ کے دادا جناب عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ حبشہ کی طرف دوسری بار ہجرت کے وقت یہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود کے رفیقِ سفر تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی اطلاع پاکر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اور غزوہ اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے[3]۔ آپ بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور عہد فاروقی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ امام ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ آپ علم و فضل اور حدیث و فقہ کے جاننے میں اپنے بھائی عبداللہ بن مسعود سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ مگر چونکہ آپ کا

---

[1] تہذیب الاسماء ص ۲۷۸ ج ۱ [2] ایضاً [3] الاصابہ ص ۲۱۱ ج ۲ و تہذیب الاسماء ص ۳۶۰۔

انتقال بہت پہلے ہوگیا تھا۔ اس لیے انہیں اپنے بھائی کی طرح علوم دین کی نشر و اشاعت کا موقعہ نہیں ملا اور نہ ہی لوگوں میں وہ شہرت نصیب ہوئی جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہوئی تھی [۴]

طلبِ علم :

حضرت عبیداللہ سنِ رشد کو پہنچنے کے بعد تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مندرجہ ذیل اساطین علم وفن صحابہ کرام رضہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور جس سے جو کچھ ملا اس کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی اپنے والد حضرت عبداللہ بن عتبہ کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضہ۔ حضرت ابوسعید خدری رضہ حضرت ابوہریرہ رضہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضہ۔ حضرت ابو واقد قریشی رضہ۔ حضرت زید بن خالد رضہ حضرت نعمان بن بشیر رضہ۔ حضرت عائشہ رضہ اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضہ وغیرہ صحابہ رضہ کے علاوہ بہت سے تابعینؒ عظام سے بھی کسبِ فیض کیا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

قوتِ حفظ :

آپ کا حافظہ بڑا قوی اور یادداشت نہایت مضبوط تھی۔ جو بات یاد رکھنا چاہتے وہ کبھی آپ کے حافظہ کی گرفت سے نکل نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

ما سمعت حدیثا قط	میں جب کوئی حدیث سنتا اور چاہتا کہ اسے یاد
فأشاء ان اعیه فاعیه۔	رکھوں تو میں اسے یاد رکھ سکتا تھا۔

علم و فضل :

ہمت عالی، روشن دماغی، حافظہ کی بے پناہ مضبوطی، علم وفضل میں نمایاں ترین صحابہؓ کی خدمت میں مسلسل حاضر باشی، تحصیلِ علم کی تڑپ صادق۔ اور جذبۂ صحیح۔ پھر شب و روز کی لگاتار محنت اور جانکاہی آپ کی علمی اور عملی زندگی کی تشکیل کے وہ مؤثر اور حقیقی عوامل ہیں جن کی بدولت آپ بہت جلد نہ صرف اپنے ہم عصر اور بعد کے اہلِ علم میں بلکہ خود فقہائے سبعہ میں ایک ممتاز اور نمایاں حیثیت کے مالک بن گئے۔ اور علم وفضل کے اس اونچے مقام پر پہنچے کہ بڑے

---

[۴] الاصابہ ص ۲۱۶ ج ۴ و تہذیب الاسماء ص ۳۶۰ [۵] تہذیب الاسماء ص ۳۱۲ ج ۱

بڑے اساطین علم اور چوٹی کے ائمہ دین آپ کی مدح میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو طفلِ مکتب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن شہاب زہری جو مسلسل آٹھ سال تک فقیہ الفقہا حضرت سعید ابن مسیب کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کرتے رہے اور بحرِ علم حضرت عروہ بن زبیر رض سے سیرابی حاصل کرنے کے بعد سمجھتے تھے کہ بہت کچھ سیکھ لیا ہے اب مزید طلب و جستجو کی چنداں حاجت نہیں۔ آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے علم کی وسعت اور گہرائی کا مشاہدہ کیا تو انگشت بدنداں رہ گئے اور واشگاف الفاظ میں اقرار کیا کہ میں نے ابھی کچھ نہیں سیکھا اور بدستور علم سے تہی دامن ہوں۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

سمعت من العلم شیئًا کثیرًا فظننت انی قد اکتفیت حتی لقیت عبید اللہ فاذا کانی لیس فی یدی شیء [۱] نیز فرمایا ماجالست احدا من العلماء الا وأری انی قد اتیت علی ما عندہ وقد کنت اختلف الی عروۃ حتی ما کنت اسمع منہ الا معادا ما خلا عبید اللہ فانہ لم اتہ الا وقد وجدت عندہ علمًا طریفًا [۲]

بہت کچھ علم حاصل کرنے کے بعد خیال ہوا کہ میں نے بہت کافی علم حاصل کر لیا ہے مگر جب عبید اللہ سے ملاقات ہوئی تو یوں محسوس ہوا کہ میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے تحصیل علم کے بارے میں جب بھی کسی عالم کی ہم نشینی اختیار کی تو کچھ عرصہ کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ میں نے اس کا تمام علم سیکھ لیا ہے۔ چنانچہ میں جناب عروہ کے حلقہ درس میں اتنی مدت حاضر ہوتا رہا کہ ان کی تقریر میں اب وہ باتیں ذکر ہونے لگیں جو میں پہلے بارہا سن چکا تھا۔ صرف حضرت عبید اللہ ہی وہ شخص ہیں کہ جب بھی مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا انہیں تازہ بتازہ اور نو بہ نو علم کے دریا بہاتے ہوئے پایا۔

حضرت امام مالک رح فرماتے ہیں:

کان ابن شہاب یاتی

یعنی امام زہری عالم ہونے کے باوجود حضرت

---

[۱] ابن خلکان ص ۲۷۱ ج ۱ [۲] تہذیب التہذیب ص ۲۳ ج ۷، وتہذیب الاسماء ص ۳۱۲ ج ۱

عبید اللہ وکان من العلماء فکان یحدثہ ویستقی ھولہ من البئر ۵۸	عبید اللہ کی خدمت میں حدیث پڑھنے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے، اور سعادت مند شاگرد کی طرح ان کی خدمت کرتے اور ان کے لیے کنوئیں سے پانی بھر کر لاتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وکان ابن شھاب یخدم عبید اللہ ویستقی لہ الماء المالح ۵۹	ابن شہاب حضرت عبید اللہ کی خدمت کرتے تھے اور کنوئیں سے ان کے لیے نمکین پانی بھر کر لاتے تھے۔

ترجمان قرآن، حبرِ امت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضؓ آپ سے نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ اور فیض پہنچانے میں کسی طرح دریغ نہیں کرتے تھے۔

امام زہری فرماتے ہیں۔

کان ابو سلمۃ یسئل ابن عباس فیخزن عنہ و کان عبید اللہ یلطفہ فکان یعزہ عزا ۶۰	ابو سلمہ حضرت ابن عباس رضؓ سے کوئی بات پوچھتے تھے تو بسا اوقات آپ ان کو بتاتے سے گریز کرتے تھے۔ عبید اللہ بڑی نرمی اور رفق سے کام لیتے تھے۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

حضرت عبید اللہ ائمہ دین کی نظر میں:

علمائے متقدمین اور متاخرین نے علومِ شرعیہ اور فنونِ ادبیہ میں آپ کی امامت وجلالت کے حق میں بڑے زوردار الفاظ میں شہادت دی ہے اور آپ کی قابلیت اور استعداد کے متعلق نہایت گہرے دلی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

---

۵۸ تذکرۃ الحفاظ ص ۷۷، ج ۱ ۵۹ البدایہ والنہایہ ص ۱۴۳ ج ۵ ۶۰ طبقات ابن سعد ص ۱۸۵ بلد ۵۔

هو تابعی ثقة رجل صالح جامع العلم وهو معلم عمر بن عبد العزيز [١١]

آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ مرد صالح اور جامع عالم ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز رح کے اتالیق تھے۔

امام عبد البر لکھتے ہیں۔

كان احد الفقهاء العشرة ثم السبعة الذين يدور عليهم الفتوى وكان عالماً فاضلاً مقدماً في الفقه [١٢]

آپ دس پھر سات ان فقہاء میں سے ایک ہیں جن پر فتوے کا دارو مدار تھا۔ آپ عالم فاضل تھے اور علم فقہ میں سب پر مقدم تھے۔

امام زہری فرماتے ہیں۔

كان عبيد الله من بحور العلم [١٣]

حضرت عبید اللہ علم کا سمندر رکھتے۔

علامہ ابن جعفر طبری اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

كان مقدماً في العلم والمعرفة بالاحكام والحلال والحرام [١٤]

آپ علم، معرفت، احکام اور حلال و حرام کے جاننے میں سب پر مقدم تھے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

عبيد الله بن عبد الله الفقيه العلم ابو عبد الله الهذلي المدني الضرير احد الفقهاء السبعة [١٥]

عبید اللہ بن عبد اللہ مشہور فقیہ اور علم کے پہاڑ تھے آپ مدینہ کے رہنے والے قبیلۂ ہذیل سے تعلق رکھتے تھے اور فقہائے سبعہ میں سے ایک تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں۔

كان اماماً حجة وكان مؤدب عمر بن عبد العزيز وله روايات كثيرة عن جماعات من الصحابة [١٦]

آپ امام تھے اپنے زمانہ کے لیے حجت تھے اور عمر بن عبد العزیز کے استاد تھے بے شمار صحابہ سے روایت کرتے ہیں۔

امام نوویؒ رقمطراز ہیں۔

---

[١١] تہذیب الاسماء ص ٣١٢ ج ١ [١٢] تہذیب التہذیب ص ٢٣ ج ٧، [١٣] تذکرۃ الحفاظ ص ٧٨ ج ١

[١٤] تہذیب الاسماء ص ٢٣ ج ٧، [١٥] تذکرۃ الحفاظ ص ٧٨ ج ١ [١٦] البدایہ ص ١٧٧ ج ٩

ھو ابو عبد اللہ عبید اللہ الھذلی الامام التابعی احد الفقہاء المدینۃ السبعۃ اتفقوا علی جلالتہ و امامتہ وعظم منزلتہ [۱۷]

حضرت عبید اللہ امام اور تابعی ہیں، مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی جلالت امامت اور عظیم الشان مرتبہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں۔

ھو احد الفقہاء السبعۃ بالمدینۃ وھو من اعلام التابعین۔

آپ مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں، اور چوٹی کے تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

امام ابوزرعہ رازی جو جرح و تعدیل کے مسلّم امام ہیں آپ کے متعلق فرماتے ہیں۔

ثقۃ مامونٌ امامٌ [۱۸]

آپ لائق اعتماد اور با امانت امام ہیں۔

سیاستِ ملکی میں آپ کا مقام:

علوم دین میں مہارت حاصل کرنے اور ان میں امامت کے درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی معاملات میں بھی آپ چوٹی کے مُدبّر اور نہایت اعلیٰ درجہ کے صائب الرائے منکر تھے حضرت عمر بن عبد العزیز امورِ سلطنت میں اکثر آپ سے مشورہ لیتے تھے اور آپ کی اصابت رائے کے اس قدر گرویدہ تھے کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

بخدا! میں حضرت عبید اللہ کی ایک ایک رات بیت المال کے ایک ایک ہزار دینار کے عوض خریدنے کو تیار ہوں۔ لوگوں نے متعجب ہو کر پوچھا امیر المومنین! بیت المال کی حفاظت میں آپ کی احتیاط غلو کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور آپ اس سے ناحق ایک پائی تک خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ فرمایا آپ لوگ حضرت عبید اللہ کی قدر کیا جانیں۔

واللہ میں ان کے عاقلانہ مشورے اور سود مند نصیحت اور راہنمائی سے بیت المال کے لکھوکھا روپیہ کی بچت کرتا ہوں، ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے سے عقل بڑھتی ہے قلب کو راحت پہنچتی ہے، غم دور ہوتا ہے اور ادب و ہنر میں پاکیزگی آتی ہے [۱۹]۔ اندازہ فرمایئے کہ

---

[۱۷] تہذیب الاسماء ص ۳۱۲ ج ۱ [۱۸] تہذیب التہذیب ص ۲۷ ج ۷ [۱۹] ابن خلکان ص ۲۷۱ ج ۱

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دل میں جو خود ایک بڑے محدث، اونچے طبقہ کے فقیہ اور عالی مقام صاحبِ تدبیر حکمران تھے، آپ کی عظمت و حرمت کا جذبہ کس قدر موجزن تھا۔ اور انہوں نے آپ کے متعلق اپنے تاثرات کا کس والہانہ انداز میں تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے۔

لو كان عبيد الله حيًّا ما صدرت الا عن رايه [۲۰]

اگر آج حضرت عبید اللہ زندہ ہوتے تو میں ان کے مشورہ پر عمل کرتا اور ان کی رائے سے سر مو انحراف نہ کرتا۔

کبھی فرماتے اگر آج حضرت عبید اللہ موجود ہوتے تو خلافت کے دھندوں سے صحیح و سلامت بچ نکلنا میرے لیے آسان ہوتا۔[۲۱]

ابو الزناد کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ربما كنت ارى عمر بن عبد العزيز فى امارته ياتى عبيد الله فربما حجبه وربما اذن له [۲۲]

میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو مدینہ منورہ کی گورنری کے ایام میں دیکھا ہے کہ وہ اکثر (مشورہ طلب امور کے سلسلہ میں) حضرت عبید اللہ کے در دولت پر حاضر ہوتے تھے وہ کبھی انہیں اندر آنے دیتے اور کبھی انکار کر دیتے تھے۔

اللہ! اللہ! علمائے حق کی بے نیازی اور انصاف پرور حکمرانوں کے دل میں ان کے احترام اور عزت کی کتنی عمدہ مثال ہے۔

شعر و شاعری:

علوم دین میں کامل مہارت اور حدیث و فقہ میں درجۂ امامت پر سرفرازی کے ساتھ ساتھ آپ فنونِ ادب میں بھی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کے شاعر مانے جاتے تھے۔ علمائے اسلام اور ائمہ دین نے ایک شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کی ویسی ہی تعریف کی ہے،

۲۰؎ سیرت عمر بن عبد العزیز لابن الجوزی ص ۸ ۔ ۲۱؎ حلیۃ اولیاء ص ۱۸۸ ج ۲ ۲۲؎ حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۸ ج ۲ و سیرت عمر بن عبد العزیز لابن الجوزی ص ۹ ۔

جس طرح علوم شریعت کا امام ہونے کی حیثیت سے آپ کی مدح فرمائی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر آپ کی سخن دانی اور شاعری کی داد دیتے ہوئے فرماتے ہیں، علم وفضل میں تقدم اور فقہ وحدیث میں تفوق و برتری کے ساتھ ساتھ آپ بڑے جید شاعر بھی تھے۔ تقوےٰ و پرہیز گاری میں بھی بے نظیر تھے۔ میں نے عہد صحابہ کے بعد آج تک کوئی فقیہ ان سے بڑا شاعر نہیں دیکھا، اور نہ کسی شاعر کو ان سے بڑا عالم اور فقیہ پایا ہے[۲۳]۔ امام ابو جعفر طبری علم وفضل میں آپ کے تقدم کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

وکان مع ذلك شاعرًا مجیدًا[۲۴] — وہ ان علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ عمدہ شاعر بھی تھے۔

آپ کے کلام کا مجموعہ مطبوع یا غیر مطبوع میرے علم میں نہیں ہے۔ ہاں تراجم کی کتابوں میں آپ کے کلام کے کچھ نمونے مل جاتے ہیں۔

ابو تمام نے علم وادب کی شہرۂ آفاق کتاب حماسہ میں جس میں چوٹی کے شعراء عرب کے بہترین کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے کلام کا نمونہ دیا ہے۔

شققت القلب ثم ذررت فیه

هواك فلیم فالتام الفطور

تغلغل حب عثمة فی فوادی

فبادیه مع الخافی یسیر!

تغلغل حیث لم یبلغ شراب

ولا حزن ولم یبلغ سرور

جب آپ نے عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے یہ اشعار کہے تو کسی نے کہا آپ بایں علم و فضل اس قسم کے اشعار کہتے ہیں؟ فرمایا فی اللدود راحة المفئود[۲۵] ایک دفعہ اسی قسم کے ایک اعتراض کے جواب میں کہا۔

ارأیتم المصدور اذا لم ینفث — دیکھتے نہیں جب سل ودق کا مریض اپنے سینہ کا

---

۲۳ تہذیب التہذیب ص ۴۳ جلد ۷، ۲۴ حوالہ مذکور ۲۵ ابن خلکان ص ۲۷۱ جلد اول

اَلیس یموت ۲۶؎ مواد باہر نہیں پھینکے گا تو کیا وہ مر نہ جائے گا؟

آپ کے حالات کا سرسری جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات میں وہ اوصاف پائے جاتے ہیں جو شخص واحد میں شاذونادر ہی۔ جمع ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ محدّثین نے آپ کی شاعری کا تذکرہ کسی قدر تعجب آمیز لہجہ میں کیا ہے۔ اس لیے کہ شاعری کا تعلق عفت و پاکبازی اور تقوے و پرہیز گاری سے کم ہی خیال کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کا کام تو عموماً ناحق مدح سرائی، بے جا ہجو گوئی اور بلاوجہ دوسروں کی آبرو اور عزت پر حملہ کرنا ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔ والشعرآء یتبعھم الغاوٗن۔ الم ترا نھم فی کلّ وادٍ یھیمون وا نھم یقولون مالا یفعلون۔ (الشعرآء)

مگر آپ ان شعراء میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وذکروا اللہ کثیرًا کہہ کر مستثنیٰ فرمالیا ہے۔ کیونکہ آپ پہلی قسم کے شعراء کی ہر طرح کی بیہودگیوں اور آلودگیوں سے بری ہیں اگر آپ ایک طرف شعروشاعری فرمارہے ہیں تو دوسری طرف علم و عرفان کے دریا بہا رہے ہیں۔ ادھر سے کچھ فرصت ملی تو یادِ خدا میں اس طرح محو ہیں کہ دنیا ومافیہا سے بےخبر ہیں۔

نماز و عبادت:

آپ کو نماز و عبادت اور دعا و مناجات سے بے حد محبت تھی۔ جب آپ نماز میں مصروف ہوتے تو گردوپیش کی ہر چیز سے غافل ہو جاتے تھے۔ بہت لمبی نماز پڑھتے تھے اور قیام طویل کے عادی تھے۔ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لیے بھی نماز میں تخفیف پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زین العابدین آپ سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ پہلے نماز شروع کر چکے تھے۔ اس لیے بیٹھ کر انتظار کرنے لگے آپ نے حسبِ معمول نماز کو اس قدر لمبا کیا کہ حضرت موصوف پر انتظار شاق گذرنے لگا۔ جب آپ اپنی عادت کے مطابق نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے سرزنش کے طور پر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے لختِ جگر آپ

۲۶؎ طبقات ابن سعد ص ۱۹۵ ج ۵

کی ملاقات کے لیے آئے اور آپ نے انہیں اتنے عرصہ تک انتظار کرنے کے لیے مجبور کیا؟
اس پر آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے اپنے قصور کی بخشش چاہتا ہوں۔ پھر فرمایا جو شخص بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو، اس کی اتنی خطا تو معاف ہونی چاہیئے۔[۲۷]

زہد و ورع:

جس قدر آپ کو انابت الی اللہ اور اخروی درجات کے حصول سے محبت تھی۔ اس سے کہیں زیادہ دنیا اور متاعِ غرور سے نفرت تھی۔ حافظ ابونعیم اصفہانی اولیاء اللہ میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ومنهم عبيد الله بن عبد الله بن عتبة الهذلى احد الاربعة من البحور الموصل الرواح بالبكور المنابذ للدنيا خيفة الغرة والعثور[۲۸]

مسندِ درس اور تلامذہ:

تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مسندِ تدریس کو رونق بخشی اور اپنا تمام اندوختہ اور حاصل کردہ علم نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ شاگردانِ عزیز کے سپرد کرنے لگے۔ مقامی و بیرونی طلباء کو فیض پہنچانے کے لیے حیاتِ عزیز کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا۔ آپ سے بے شمار لوگوں کو شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔
حضرت امام ابن شہاب زہری، عراک بن مالک، صالح بن کیسان اور ابوالزناد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

وفات:

آپ نے کئی سال تک قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند کرنے کے بعد ۹۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

آپ کی سنِ وفات میں اور قول بھی ہیں۔ مگر حافظ ذہبیؒ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ؛

---

[۲۷] تذکرۃ الحفاظ ص ۷۷ جلد ۱ [۲۸] حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۸ جلد ۲

۵۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم

۲۹ھ ——— ۱۰۱ھ

نام و نسب

آپ کا نام قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق اور کنیت ابو محمد ہے۔ ۲۹ھ میں ایک فارسی النسل سودہ نامی کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد صغار صحابہ رض میں سے ہیں۔ یہ حجۃ الوداع کے سفر میں ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں اب کیا کروں؟

آپ نے فرمایا نہا دھو کر احرام باندھو، اور حج کے لیے اپنا سفر جاری رکھو۔ جب حضرت صدیق کا انتقال ہوا تو حضرت علی رض نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے حضرت علی رض کے زیر سایہ تربیت حاصل کی اور پروان چڑھے۔ حضرت علی رض نے ان کو اپنے عہد خلافت میں مصر کا گورنر مقرر کیا اور امیر معاویہ رض کے سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص رض کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

حضرت قاسم کی والدہ شاہ ایران یزدجرد کی بیٹی تھیں۔ مملکت ایران کی تباہی کے بعد جو قیدی اہل اسلام کے ہاتھ آئے ان میں شاہِ ایران یزدجرد کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ جب حضرت عمر رض نے عام قیدیوں کی طرح ان کو بھی نیلام کرنے کا حکم دیا۔ تو حضرت علی رض نے کہا، شہزادیوں سے عام کنیزوں کا سا برتاؤ مناسب نہیں۔ فاروق اعظم رض نے پوچھا پھر ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت علی رض بولے۔ ان کی قیمت لگا دی جائے پھر جو شخص ان کی قیمت ادا کرے۔ اس کے حوالے کر دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی۔ حضرت علی رض نے ان کی قیمت ادا کی۔ اور اپنے قبضے میں لانے کے بعد ایک حضرت عمر رض کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو، دوسری ابوبکر صدیق رض کے بیٹے محمدؒ کو اور تیسری جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رض کو ہبہ کر دی۔ عبداللہ کے گھر سالم، محمد کے گھر قاسم، اور

حضرت امام حسین رضؓ کے گھر زین العابدین پیدا ہوئے۔ اس طرح سالم، قاسم اور زین العابدین تینوں خالہ زاد بھائی اور کسریٰ یزد جرد کے نواسے ہیں [۱]

تعلیم وتربیت

ابھی آپ بچے ہی تھے کہ سر سے باپ کا سایۂ عاطفت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُٹھ گیا۔ اور آپ کو یتیمی کے ہولناک حوادث سے دوچار ہونا پڑا۔ جب ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کو ان کے والد کے قتل کی اطلاع ملی تو جہاں ان کے لیے بھائی کی جواں مرگی روح فرسا تھی وہاں ننھے بھتیجے کی یتیمی و بے کسی بھی کچھ کم حوصلہ شکن اور صبر آزما نہ تھی۔ ان حالات میں آپ کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن اور اوّلین توجہ کا مستحق ننھے بچّہ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا مسئلہ تھا۔ جس کا آپ کے نزدیک بجز اس کے اور کوئی تسلّی بخش حل نہ تھا کہ اس کو اپنے سایۂ شفقت میں جگہ دیں۔ اور اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور معصوم بچہ کو اپنی حضانت میں لے لیا [۲]

پھر اس کی اس محبت سے پرورش کی اور اس کی تعلیم وتربیت میں اس درجہ توجہ مبذول فرمائی کہ آگے چل کر یہی یتیم و بے کس بچّہ چوٹی کے علماء میں شمار ہوا اور مدینہ طیبہ کے ان شہرۂ آفاق فقہائے سبعہ کا ایک ممتاز رکن بنا جن کے علم وفضل کی دھاک چار دانگ عالم میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہر مسلمان کے لیے باعثِ اطمینان تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جو پہلے بڑے ناز ونعم کی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے اور انواع واقسام کے لباس فاخرہ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ اپنے چچا اور خُسر امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی وفات پر اتنے غمگین اور دلگیر ہوئے کہ ہر قسم کے ناز ونعم کو خیر باد کہہ دیا۔ اور لباس فاخرہ کی بجائے ٹاٹ پہننا شروع کر دیا۔ اس پر کوئی تین مہینے گزرے تو امام قاسم بن محمد نے کہا ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہیں جو آپ نے اختیار فرما رکھا ہے۔ وہ مصائب کا مقابلہ تحمّل وتجمّل سے اور اقبال ونعمت کا مقابلہ عجز وانکساری سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی کایا پلٹ گئی، تمام حزن وملال جاتا رہا اور شام کے وقت ایسے

---

[۱] ابن خلکان ص ۳۲۰ ج ۱ [۲] الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۱۵۲، ۶۱۰

بیش قیمت لباس میں ملبوس دیکھے گئے جس کی قیمت کا اندازہ تین ہزار کیا گیا ۳ٖ

اساتذہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضہ کے علاوہ آپ کو مندرجہ ذیل صحابہ رضہ کرام اور تابعین عظام سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت معاویہ، عبداللہ بن خباب صالح بن خوات، اسلم مولیٰ عمر، عبدالرحمٰن بن یزید بن جاریہ حضرت فاطمہ بنت قیس وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آپ فرماتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضہ، حضرت عمر رضہ اور حضرت عثمان رضہ کے عہدِ خلافت میں بلکہ اپنی وفات تک فتویٰ صادر فرمایا کرتی تھیں۔ جن میں علم و عرفان کی ایک جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔ میں نے مسلسل ان کی خدمت میں حاضر رہ کر کسبِ فیض کیا ہے۔ مجھے بحرِ علم حضرت عبداللہ بن عباس کی ہم نشینی کا شرف بھی حاصل ہے۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضہ سے بھی بہت کچھ سیکھا ہے حضرت عبداللہ بن عمر وافر علم اور بے حد تورع کے مالک تھے۔ آپ اس چیز سے رک جاتے تھے جس کا آپ کو علم نہیں ہوتا تھا ۴ٖ

حافظ ابن قیم رح لکھتے ہیں حلال و حرام کی پہچان، احکام فرائض سے واقفیت اور علم و عرفان کی گہرائی میں ام المومنین حضرت عائشہ رضہ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کا تمام و کمال علم (حدیث و فقہ) آپ سے آپ کے بھتیجے قاسم بن محمد اور بھانجے عروہ بن زبیر نے حاصل کیا اور انہوں نے آپ کے قول کی کبھی مخالفت نہیں کی ۵ٖ

علم و فضل

مسلمانوں کے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضہ کے پوتے اور شاہِ ایران کسریٰ یزدجرد

۳ٖ حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۳ ج ۲ ۴ٖ تہذیب الاسماء والاصفات ص ۵۵ ج ۵ٖ اعلام الموقعین ص ۱۷ ج ۱

کے نواسے ہونے کی حیثیت سے آپ نجیب الطرفین اور شاہانہ دل ودماغ کے مالک تھے۔ اس پر ام المؤمنین حضرت عائشہ رض کی تعلیم وتربیت، حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس کی ہم نشینی اور حافظِ صحابہ حضرت ابوہریرہ رض اور حضرت عبداللہ بن عمر رض جیسے جلیل القدر صحابہ کی شاگردی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ چنانچہ آپ کی طبیعت کے جوہر کھلے اور علم وفضل کے اس اونچے مقام پر پہنچے کہ آپ میں ہر طرح کی بڑی سے بڑی ذمہ داری سنبھالنے کی اہلیت واستعداد پیدا ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ حکومت میں واشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔

لو کان امر الخلافۃ الی لما عدلت عن القاسم ؛	یعنی اگر خلافت کا معاملہ میرے بس میں ہوتا تو میں قاسم کے سوا کسی کو خلیفہ مقرر نہ کرتا۔

سلیمان بن عبدالملک نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولی عہد مقرر کیا ہوا تھا۔ لہٰذا آپ معاہدہ کی پابندی کی وجہ سے مجبور تھے[۶]

یحییٰ بن سعید فرماتے ہم نے مدینہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جسے ہم علم وفضل میں قاسم پر ترجیح دیں[۷]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں۔

حدثنا علی حدثنا سفیان حدثنا عبدالرحمٰن بن القاسم وکان افضل اھل زمانہ انہ سمع اباہ وکان افضل اھل زمانہ[۸]	یعنی سفیان بن عینیہ فرماتے ہیں ہمیں عبدالرحمان بن قاسم نے حدیث بیان کی اور وہ اپنے زمانہ کے افضل ترین انسان تھے۔

ایوب کہتے ہیں ؛

میں نے آپ سے افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا[۹]

حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں ؛

"آپ مدینہ منورہ میں سب سے افضل اور اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے

---

[۶] شذرات الذہب ص ۱۳۵ ج ا و تذکرہ ص ۹۱ ج ا [۷] تذکرۃ الحفاظ ص ۹۱ ج ا و تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ [۸] تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ [۹] ایضاً

بڑے عالم تھے[۱۰]۔ ایک اعرابی نے آپ سے پوچھا۔ علم میں آپ سالم سے بڑھے ہوئے ہیں یا وہ آپ سے بڑھ کر ہے؟ آپ نے اسے ٹالنا چاہا مگر اعرابی اپنی بات پر اڑا رہا۔ جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا وہ سالم ہیں، ان سے جاکر پوچھ لیجئے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں آپ نے یہ کہنا کہ میں سالم سے زیادہ علم رکھتا ہوں پسند نہیں کیا۔ کیونکہ یہ خودستائی ہے اور یہ کہنا بھی پسند نہیں کیا کہ سالم مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ کیونکہ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ اور حقیقتًا ان دونوں میں آپ ہی زیادہ عالم تھے[۱۱]

زبیر کہتے ہیں میں نے صدیقِ اکبرؓ کی اولاد میں اس نوجوان (حضرت قاسم) سے زیادہ افضل کوئی آدمی نہیں دیکھا[۱۲]

حافظ ابونعیم لکھتے ہیں:

کان لغوامض الاحکام فائقا والی محاسن الاخلاق سابقا۔[۱۳]

یعنی آپ احکام کی پیچیدہ گتھی سلجھانے میں سب پر فوقیت رکھتے تھے اور بہترین اخلاق و عادات کی طرف سبقت کرنے والے تھے[۱۳]

حدیث وفقہ

آپ علمِ حدیث میں بڑے ماہر اور فقہ اسلامی کی عقدہ کشائی میں یگانہ روزگار تھے۔ مدینہ طیبہ کے شہرۂ آفاق فقہاء سبعہ کے ایک ممتاز رکن کی حیثیت سے مشہور ہیں۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

وکان ثقۃ عالما رفیعا فقیھا اماما کثیرالحدیث ورعا[۱۴]

یعنی آپ لائق اعتماد عالم، عالی قدر فقیہہ، کثیرالحدیث امام اور بڑے پرہیزگار تھے۔

ابن العماد لکھتے ہیں:

احد الفقہاء السبعۃ"

یعنی آپ فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں، اپنی

---

[۱۰] البدایہ ص ۲۵۰ ج ۹ [۱۱] تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ وصفوۃ الصفوہ ص ۵۰ جلد ۲ [۱۲] تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ [۱۳] حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۳ ج ۲ [۱۴] طبقات ابن سعد ص ۱۴۳ ج ۵

نشأ فی حجر عمتہ عائشہ — پھوپھی حضرت عائشہ رضہ کی گود میں پرورش پائی اوران
فاکثر عنہا۔[15] — سے بہت علم سیکھا۔

امام حبان فرماتے ہیں۔ آپ تابعین کے سردار ہیں۔ علم، ادب اور فقہ میں اپنے اہل زمانہ پر گوئے سبقت رکھتے ہیں[16]

ابوالزناد کہتے ہیں۔ میں نے قاسم بن محمدؒ سے بڑھ کر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ کوئی آدمی جب تک علم حدیث سے پوری پوری واقفیت حاصل نہیں کرتا تھا۔ ذی علم آدمی کہلانے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا[17]

خالد بن نزار فرماتے ہیں، قاسم، عروہ اور عمرہ حضرت عائشہ رضہ کی حدیث تمام لوگوں سے زیادہ جانتے تھے[18]

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

القاسم من فقہاء الامۃ[19] — حضرت قاسم امت کے فقہاء میں سے ہیں۔

ابوالزناد فرماتے ہیں میں نے کوئی فقیہہ حضرت قاسم سے زیادہ علمِ فقہ پر دسترس رکھنے والا نہیں دیکھا۔ اور نہ کوئی ان سے زیادہ حدیث جاننے والا محدث پایا[20]

تعلیم و تدریس

تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مسندِ تدریس کو رونق بخشی اور جو علوم و فنون مختلف اساتذۂ فن سے جمع کیے تھے۔ اب انہیں بڑی فیاضی کے ساتھ طلبۂ علم میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ جس جفاکشی محبت اور محنت سے اس امانت کو حاصل کیا تھا اب ویسے ہی اخلاص، کوشش اور مستعدی کے ساتھ اسے تلامذہ کے حوالے کرنے لگے۔ آپ کی عادت تھی کہ صبح سویرے مسجد میں تشریف لے آتے۔ پہلے دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر حلقۂ درس میں بیٹھ کر مستفیدین اور تلامذہ کو پڑھانے میں مصروف

---

[15] شذرات الذہب ص ۱۳۵ ج ۱ [16] تہذیب التہذیب ص ۳۳۵ ج ۸ [17] صفۃ الصفوۃ ص ۸۸ ج ۲ تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ [18] ایضاً [19] حاشیہ تذکرہ نقلاً عن الخلاصہ وابن خلکان ص ۸ ۱ ج ۱ [20] تذکرہ

ہو جاتے [۲۱]

محمدؐ بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت قاسم اور حضرت سالم بن عبداللہ مسجد نبوی میں ایک ہی حلقہ درس میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے ۔ پھر ان دونوں کے بعد عبدالرحمان بن قاسم اور عبیداللہ بن عمر نے اس کو زینت بخشی ۔ پھر اسی جگہ امام مالکؒ نے عمر بھر درس حدیث دیا ۔ یہ جگہ منبر اور روضۂ مقدسہ کے درمیان فاروق اعظم رضہ کے گھر کے دروازہ کے سامنے تھی [۲۲]

بے نفسی

اس قدر وافر علم اور گہری فقاہت کے باوجود بے نفسی ملاحظہ ہو کہ جب کوئی ایسا مسئلہ سامنے آتا جس کو آپ نہ جانتے تو صاف صاف اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیتے اور اس کی کبھی پرواہ نہ کرتے کہ لوگ اس سے کیا اثر لیں گے اور میرے وقار کو اس سے کیا صدمہ پہنچے گا۔

ایوب فرماتے ہیں کہ مقام منیٰ میں لوگ آپ سے مسئلہ پوچھنے لگے ۔ تو آپ اکثر فرماتے میں نہیں جانتا ۔ کبھی فرماتے ۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے ۔ جب لوگ اصرار کرتے کہ کچھ تو فرمایئے تو آپ کہتے واللہ جو مسائل آپ پوچھتے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک کا علم ہمیں نہیں ہوتا اگر ہم جانتے تو تم سے کبھی نہ چھپاتے اور نہ ہمارے لیے چھپانا حلال ہی ہے [۲۳]۔

یحییٰ بن سعید کا بیان ہے ۔ میں نے حضرت قاسم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہمیں ہر مسئلے کا جو ہم سے پوچھا جاتا ہے ۔ علم نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ کا حق جاننے اور فرائض و واجبات کا علم ہونے کے بعد انسان کا جاہل رہنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ ، وہ بات کہے جسے وہ نہیں جانتا [۲۴]

ابوالزناد کہتے ہیں ۔ آپ صرف اسی سوال کا جواب دیتے تھے جس کی حجت عیاں اور حقانیت بہت واضح ہوتی تھی [۲۵]

روایت بالمعنیٰ

روایت بالمعنیٰ میں علماء کا اختلاف ہے اگرچہ اکثریت جواز کی قائل ہے ۔ مگر اولیٰ اور بہتر

ص ۹۱ ج ۲ [۲۱] طبقات ابن سعد ص ۱۳۱ ج ۵ [۲۲] ایضاً [۲۳] صفۃ الصفوہ ص ۴۹ ج ۲ [۲۴] ایضاً ص ۵۰ ج ۲ [۲۵] ایضاً

یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے روایت کے وہی الفاظ بیان کیے جائیں۔ جو پڑھتے وقت اُستاد سے سنے ہوں۔ صرف مفہوم ادا کر دینے پر اکتفا کرنا بہتر نہیں آپ اسی کا اہتمام فرماتے تھے، اور روایت بالمعنیٰ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ابن عون کا بیان ہے:

کان القاسم بن محمد یحدث بالحدیث علی حروفه[۲۶]

یعنی آپ (قاسم بن محمد) بلفظہٖ روایت بیان کیا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے۔

کان القاسم وابن سیرین ورجاء بن حیوۃ یحدثون بالحدیث علی حروفه[۲۷]

یعنی قاسم اور ابن سیرین اور رجاء بن حیوۃ بلفظہٖ روایت بیان کیا کرتے تھے۔

زہد و قناعت

شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود آپ کو دنیا سے کوئی محبت نہ تھی۔ مال و متاع سے مطلق اُنس نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس امیرانہ شان و شوکت اور سرمایہ دارانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی سے دلی نفرت تھی۔

امام ایوب کا بیان ہے:

رأیت علی القاسم رداء قد صبغ بشیء من زعفران ویدع مائة الف لم یتلجلج فی نفسه شیء منها وعنه قال ما رأیت رجلا افضل من القاسم ترك مائة الف وهو له حلال[۲۸]

یعنی میں نے حضرت قاسم کو زعفران سے رنگی ہوئی معمولی چادر پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کی سیر چشمی اور قناعت کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ چھوڑ دیتے تھے پھر اس کے متعلق دل میں حرص و آز کا کوئی واہمہ پیدا نہیں ہونے پاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے۔ میں نے حضرت قاسم سے افضل اور قانع آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ آپ نے ایک لاکھ روپیہ لینے سے انکار کر دیا، حالانکہ وہ ان کے لیے ہر لحاظ سے حلال تھا۔

امام سفیان فرماتے ہیں ایک دفعہ کچھ صدقہ کا مال تقسیم کرنے کے لیے آپ کے سپرد

---

[۲۶] ابن سعد ص ۱۳۹ ج ۵ [۲۷] تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸ [۲۸] صفۃ الصفوۃ ص ۹۴ ج ۲

کیا گیا۔ کچھ لوگ آئے اور اس کے متعلق تکرار کرنے لگے اس وقت آپ تو نماز پڑھ رہے تھے آپ کے صاحبزادے عبدالرحمان بولے، واللہ تم ایسے شخص سے کلام کرنے آئے ہو جس نے اس سارے مال سے اپنے پاس ایک پیسہ تک نہیں رکھا۔ آپ نے نماز مختصر کر دی اور سلام پھیر کر فرمایا، بیٹا وہی بات کہو جو تم جانتے ہو۔ امام سفیان فرماتے ہیں آپ کے صاحبزادے نے غلط نہیں کہا تھا۔ آپ نے اس کو زبان قابو میں رکھنے اور صرف وہی بات کہنے کی تنبیہ کی جسے وہ ذاتی طور پر جانتا ہو[۲۹]

سلیمان بن قتہ کا بیان ہے: عمر بن عبیداللہ نے ایک ہزار دینار میرے حوالہ کیے اور کہا یہ حضرت عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد کو دے آؤ۔ میں پہلے حضرت عبداللہ کے پاس گیا وہ غسل خانہ میں نہا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور میں نے ان کے حصّہ کے دینار ان کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ فرمانے لگے یہ صلہ رحمی کی بہتر صورت ہے ہمیں اس کی بڑی ضرورت تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر میں حضرت قاسم کے پاس آیا مگر انہوں نے اپنے حصّہ کے دینار لینے سے انکار کر دیا[۳۰]

پیرانہ سالی میں اشتیاقِ حج

امام ربیعہ کہتے ہیں جب آپ بہت زیادہ کمزور ہو گئے تو جمروں پر کنکر پھینکنے کے لیے اپنے گھر سے مسجد منیٰ تک سوار ہو کر آتے پھر وہاں سے پیدل جاتے اور رمی جمار کے بعد مسجد تک پیدل ہی واپس آتے وہاں سے پھر سواری پر بیٹھ کر اپنی جائے قیام پر پہنچ جاتے۔[۳۱]

معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر حج میں شریک ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حج ہی کے سفر میں آپ کا انتقال ہوا۔ اس لیے امام ابن سیرین بصرہ کے حاجیوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت قاسم کے طریقہ کو دیکھیں اور ان کی اقتداء کریں[۳۲]

لباس اور اوضاع و اطوار

آپ چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا اس میں قاسم بن محمد نقش تھا

---

[۲۹] صفۃ الصفوہ ص ۵۰ ج ۱، و ابن سعد ص ۱۴۰ ج ۵ [۳۰] ابن سعد ص ۱۴۰ ج ۵ [۳۱] ایضاً ص ۱۴۱ ج ۵۔

[۳۲] تہذیب التہذیب ص ۳۳۴ ج ۸

انگوٹھی ہمیشہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے تھے۔ قمیص اور کوٹ کی آستین ہاتھوں کی انگلیوں سے بقدر چار انگلی یا ایک بالشت زیادہ ہوتی تھی۔ اپنی مونچھوں کو اچھے اور خوبصورت انداز میں کٹواتے تھے۔ عموماً سفید عمامہ باندھتے تھے۔ جس کا شملہ ایک بالشت کے قریب پیچھے لٹکتا رہتا تھا۔ کبھی ٹوپی بھی استعمال کرتے تھے۔ اپنے سر اور داڑھی کو مہندی لگاتے تھے۔ جس سے بال بہت سرخ ہو جاتے تھے۔ احرام کی حالت میں خفیف کسنبہ کے رنگے ہوئے گلابی کپڑے استعمال کرتے تھے ۵۳۳

اولاد

آپ نے اپنے پیچھے دو لڑکے عبدالرحمان اور عبدہٗ اور دو لڑکیاں ام فروہ اور ام حکیم چھوڑیں عبدالرحمان بڑے جلیل القدر محدث اور عالی مرتبہ فقیہ تھے۔ امام بخاری نے انہیں افضل اہل زمانہ کہا ہے اور ام فروہ امام جعفر صادق کی والدہ محترمہ ہیں۔

تلامذہ

آپ سے بڑی تعداد میں لوگوں نے علم حاصل کیا ہے۔ ان میں بڑے بڑے ائمہ فن اور اساطین علم بھی شریک ہیں مندرجہ ذیل خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن، امام شعبی، امام سالم بن عبداللہ، امام یحییٰ بن سعید انصاری ابن ابی ملیکہ، امام ابن شہاب زہری، امام ابو سختیانی، عبداللہ بن عون، ابوالزناد، امام ربیعہ، مالک بن دینار، عمر بن عبداللہ بن عروہ بن زبیر اور امام ابوبکر بن محمد بن حزم وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم وادخلہم وایانا جنات النعیم۔

وفات

آپ نے وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ مجھے میری قمیص، تہبند اور چادر میں کفن دیا جائے جن میں میں بحالتِ زندگی نماز پڑھا کرتا تھا۔ آپ کے صاحبزادہ عبدالرحمان نے کہا ان پر دو نئے کپڑوں کا اضافہ نہ کر دیں۔ فرمایا بیٹا! دادا صاحب جناب صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین کپڑوں میں ہی کفن دیا گیا تھا۔ نیز مُردہ کی نسبت زندہ نئے کپڑوں کا زیادہ حاجت مند ہے۔ آپ نے

---

۵۳۳ یہ سب حالات ابن سعد جلد ۵ سے ماخوذ ہیں

یہ بھی وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میری قبر پر ثنا خوانی نہ کی جائے۔ آپ نے سفرِ حج میں ۷۰ یا ۷۲ سال عمر پاکر ۱۰۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہدِ حکومت میں قدید نامی جگہ میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

قدید سے تین میل دور شلل میں آپ کے جسدِ مبارک کو سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کے سالِ وفات میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۰۱ھ کے بجائے ۱۰۶ھ، ۱۰۷ھ، ۱۰۸ھ اور ۱۰۹ھ بھی لکھا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

۶۔ حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضؓ[۱]

نام و نسب

آپ کا نام ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ابو عبدالرحمان کنیت ہے۔ بعض علماء نے آپ کا نام محمد بیان کیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

یقال اسمہ محمد والاصح ان اسمہ کنیتہ۔[۱]

آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت عبدالرحمٰن بن حارث کا شمار صغار صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ یہ جنگِ جمل میں ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کی فوج میں شریک تھے۔ اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ حمیدہ کی وجہ سے حضرت عائشہ رضؓ ان کی بہت مداح تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبدالرحمٰن بن حارث جیسے دس بیٹوں کو جنم دینے سے یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ میں گھر میں بیٹھ رہتی اور بصرہ پہنچ کر جنگ کے دھندوں میں شریک نہ ہوتی۔[۲]

آپ ان چار آدمیوں میں سے ایک ہیں جن کو امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ نے قرآن حکیم کے نسخے تیار کر کے عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف میں بھیجنے پر مامور فرمایا تھا۔ آپ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضؓ کے بھانجے ہیں۔ آپ کے والد حارث کی وفات کے بعد امیر المومنین حضرت عمر رضؓ نے آپ کی والدہ فاطمہ بنت ولید سے نکاح کر لیا تھا۔ اس لیے آپ کی تعلیم و تربیت فاروقِ اعظم رضؓ کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔[۳]

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمان کے دادا حضرت حارث بن ہشام بھی صحابی رضؓ ہیں۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ آپ ابوجہل کے حقیقی بھائی ہیں۔ جنگِ بدر میں اپنے بھائی کے ہمرکاب

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۵۹ ج ۱ ۲۔ طبقات ابن سعد ص ا ج ۵ ۳۔ الاصابہ ص ۶۷ ج ۵، تہذیب التہذیب ص ۱۵۷ ج ۶

مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ مگر مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب شاعرِ رسالت حضرت حسّان رضہ نے اس پر غیرت دلائی تو ان کے جواب میں مندرجہ ذیل اشعار کہے جو بوتمام نے اپنی مشہور عالم کتاب حماسہ میں نقل کیے ہیں اور فرار پر معذرت خواہی میں بے نظیر سمجھے جاتے ہیں: ؎

اللہ یعلم ما ترکت قتالھم　　حتی رموا فرسی باشقر مزبد

اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں نے اس وقت تک جنگ بند نہیں کی جب تک میرا گھوڑا خون سے لہولہان نہیں ہوا۔

فعلمت انی ان اقاتل واحداً　　اقتل ولا ینکی عدوی مشھدی

جب میں نے معلوم کیا کہ میں تنہا لڑوں گا تو قتل ہو جاؤں گا اور دشمنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکوں گا۔

ففررت عنھم والاحبۃ فیھم　　طمعا لھم بعقاب یوم مرصد

تو میں اپنے دوستوں کو دشمن کے ہاتھوں گرفتار اور اکثر کو میدانِ جنگ میں مقتول چھوڑ کر اس لیے بھاگ کھڑا ہوا کہ وقت آنے پر ان سے شدید انتقام لوں گا۔[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ جہاد کی نیت سے مکہ معظمہ چھوڑ کر شام چلے گئے اور وہیں طاعون عمواس میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جنگ یرموک میں جام شہادت نوش فرمایا۔[۵]

کتب احادیث میں آپ سے بہت سی احادیث اور روایات مذکور ہیں۔ صحیح بخاری کے پہلے صفحہ میں ہے: ان الحارث بن ھشام سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف یاتیك الوحی؟

امام ابوبکرؒ کا علم سے خاندانی تعلق

آپ نے قریش کے ایک نہایت ہی معزز اور ذی علم گھرانے میں آنکھیں کھولیں جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کے والد عبد الرحمان اور دادا حارث بن ہشام شرفِ صحبت سے مشرف ہو چکے تھے۔ اور علوم شرعیہ اور فنون عصریہ میں بلند مرتبہ اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

---

[۴] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ص ۳۰۷ ج ۱ [۵] ایضاً

آپ کے بھائی عکرمہ، محمد، مغیرہ، ابوسلمہ، عبداللہ اور عمر بہت بڑے عالم اور جلیل القدر محدث تھے۔ آپ نے بھی خاندانی روایات کے مطابق تحصیلِ علم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا شب و روز کی پیہم سعی و عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نہ صرف اپنے بھائیوں سے بلکہ دوسرے ہمعصروں سے بہت آگے نکل گئے اور مدینہ منورہ کے ان شہرۂ آفاق فقہاء سبعہ میں شمار ہوئے جن کی علمی خدمات اور اجتہادی مساعی سے علوم شریعت کو کمال عروج حاصل ہوا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ و مصؤن ہو گئے۔

اساتذہ

آپ کو اپنے والد محترم حضرت عبدالرحمٰن بن حارث کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

حافظِ صحابہ حضرت ابوہریرہ رض، حضرت عائشہ رض، حضرت ام سلمہ رض، حضرت ابومسعود انصاری رض، ام معقل اسدیہ رض اور عبداللہ بن مطیع وغیرہ۔

علم و فضل

آپ کے علم و فضل کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ آپ کا شمار ان سات فقہاء میں ہے جن کی علمی برتری و تقدم پر زمانہ شاہد ہے۔ اور علماء اسلام متفق ہیں کہ یہ مقام ان کے علاوہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ بعد میں آنے والے جملہ اساطین علم ان کے خوشہ چین اور ان ہی کے رہینِ منت ہیں۔ قاضی ابن خلکان آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وانما قیل لهم الفقهاء السبعة وخصوا بهذه التسمية لان الفتوى بعد الصحابة صارت اليهم وشهروا بها وقد كان في عصرهم جماعة من العلماء التابعين مثل سالم بن عبد الله وامثاله ولكن الفتوى لم يكن الا لهولاء السبعة [6]

یعنی ان کو فقہاء سبعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کے بعد شعبۂ افتاء کا تقریباً تمام دار و مدار ان پر تھا اگرچہ ان کے زمانہ میں حضرت سالم بن عبداللہ جیسے دوسرے بہت سے جلیل القدر تابعین بھی موجود تھے لیکن اس شعبہ کا انحصار ان حضرات ہی پر تھا۔ اس میں ان کو وہ نام وری حاصل ہوئی جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوئی۔

ابن العماد حنبلی فرماتے ہیں:

انما قیل لهم الفقهاء السبعة لانهم كانوا فی عصر واحد ينشر عنهم العلم والفتيا وكان فی عصرهم جماعة من فقهاء التابعين مثل سالم بن عبد الله وغيره فلم يكن لهم مثل ما لهم [۶]

فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں ایک ہی زمانہ میں جمع تھے علم کی نشر و اشاعت اور شعبۂ افتاء کا یہی حضرات مرکز تھے۔ اگرچہ حضرت سالم بن عبد اللہ جیسے دیگر اجلاء فقہاء بھی موجود تھے مگر علم و فضل میں جو مقام انہیں حاصل تھا وہ کسی دوسرے کو میسّر نہیں آیا۔

امام الزناد نے بھی آپ کے متعلق انہی خیالات کا اظہار کیا ہے [۸]

ابن خراش فرماتے ہیں:

هو احد ائمة المسلمين۔

آپ ائمہ اسلام میں سے ایک امام ہیں [۹]

زبیر بن بکار کہتے ہیں:

كان من سادات قريش۔

آپ قریش کے سرداران نامدار میں سے تھے [۱۰]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وكان من الثقة والامانة والفقه وصحة الرواية على جانب عظيم [۱۱]

ثقاہت، امانت، فقاہت اور صحتِ روایات میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

وكان ثقة فقيها كثير الحديث عالماً عاقلاً عاليا سخيا [۱۲]

آپ لائق اعتماد فقیہ، کثیر الحدیث عالم، عقل مند اور عالی مقام سخی تھے۔

تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ میں ہی مسندِ تدریس کو رونق بخشی اور ساری عمر علوم شریعت (کتاب و سنت اور فقہ حدیث) کی نشر و اشاعت میں صرف کر دی۔ اس سلسلہ میں آپ کی خدمات اس قدر شاندار ہیں کہ بالاتفاق علماء اسلام نے ان کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔

---

[۶] ابن خلکان ص ۹۲ ج ۱ [۷] شذرات الذہب ص ۱۰۴ ج ۱ [۸] التہذیب التہذیب ص ۳۱ ج ۳ [۹] التہذیب التہذیب ص ۳۱ ج ۳ [۱۰] التہذیب التہذیب ص ۳۱ ج ۳ [۱۱] البدایہ ص ۱۱۶ ج ۵ [۱۲] ابن سعد ص ۱۵۳ ج ۵

کتبِ احادیث آپ کی مرویات سے بھرپور ہیں اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ کی شاہد ہیں۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

حدیثہ فی دواوین الاسلام کلھا [۱۳]

ریاضت وعبادت

تعلیمی مشاغل اور دنیاوی حوائج سے فراغت کے بعد آپ کا سب سے زیادہ محبوب ومرغوب مشغلہ اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر وفکر، دعا ومناجات اور خشیت وانابت تھا۔ نماز وعبادت سے آپ کی محبت کا اندازہ کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کی دوسری مصروفیات پر یہی شغل غالب تھا حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی اس میں کبھی سستی واقع نہیں ہوتی تھی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وکان اذا سجد یضع یدہ فی طست ماء لعلۃ کانت بہ

آپ کسی بیماری کی وجہ سے سجدہ کرتے وقت اپنا ہاتھ پانی سے بھری ہوئی تھالی میں رکھتے تھے۔

حافظ ابونعیم اولیاء اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنھم الفقیہ الوجیہ العابد النبیہ راھب قریش وعابدھا ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث المخزومی اکثر احادیثہ فی الاقضیۃ والاحکام - قال زبیر بن بکار کان ابوبکر یقال لہ راھب المدینۃ

ان میں سے ایک منفرد فقیہ اور ذی شعور عابد ابوبکر بن عبدالرحمن مخزومی بھی ہیں جو راہب قریش اور بقول زبیر بن بکار راہب مدینہ کہلاتے تھے۔ ان کی احادیث اکثر قضایا اور احکام پر مشتمل ہوتی ہیں۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

کان عابدا صالحا متالھا یقال لہ راھب قریش [۱۶]

روزہ

روزہ سے بھی آپ کو بے حد انس اور عشق کے درجہ تک پہنچی ہوئی محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عیدین اور ایام تشریق کے علاوہ سارا سال روزہ رکھتے تھے۔ اور اس معمول میں

---

[۱۳] تذکرۃ الحفاظ ص ۶۰ ج ۱ [۱۴] تہذیب التہذیب ص ۳۱ ج ۱۲، البدایہ والنہایہ ص ۱۱۶ ج ۹ [۱۵] حلیۃ الاولیاء ص ۱۸۷ ج ۲ [۱۶] تذکرہ ص ۶۰ ج ۱

تادم واپسیں فرق نہیں آیا۔ آپ کے بھائی عمرو بن عبدالرحمان کا بیان ہے۔

ان اخاہ ابا بکر کان یصوم ولا یفطر [۱۷] — ان کے بھائی ابوبکر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور کبھی افطار نہیں کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وکان یصوم الدھر [۱۸] — آپ نے پوری زندگی روزہ میں بسر کی۔

امانت و دیانت

جہاں آپ دیگر مکارمِ اخلاق اور صفات عالیہ سے متصف تھے وہاں امانت داری کا یہ حال تھا کہ اگر آپ کے پاس رکھی ہوئی امانت میں بلاقصد و بلاارادہ نقصان ہوجاتا تو آپ اس کو اپنے ذاتی مال سے ادا فرماتے اور صاحبِ امانت کے معاف کردینے پر بھی آپ کو یہی اصرار ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح پوری امانت اس کے حوالے کردیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیرؓ کے قتل ہوجانے کے بعد اپنے یتیم بھتیجوں کا کچھ مال آپ کے پاس امانتاً رکھا۔ قضاءِ الٰہی سے یہ مال ضائع ہوگیا۔ حضرت عروہؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ چونکہ آپ امین تھے اور یہ مال آپ سے بلااختیار ضائع ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے ضائع ہونے سے آپ پر کچھ تاوان نہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں کہ اس کے ضائع ہونے سے مجھ پر کوئی تاوان نہیں۔ لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا۔ کہ آپ کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ میری امانت ضائع ہوگئی چنانچہ آپ نے اپنا مال فروخت کرکے پوری کی پوری امانت واپس کی۔[۱۹]

امرأ و سلاطین کے ہاں قدر و منزلت

اہل علم و فضل کے نزدیک تو آپ کو جو بلند مقام حاصل تھا اس کا بالاجمال پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ امرأ و سلاطین کے ہاں بھی آپ کو بڑے احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

---

[۱۷] تہذیب ص ۳۱ ج ۱۲ [۱۸] البدایہ ص ۱۱۶ ج ۹ [۱۹] طبقات ابن سعد ص ۱۵۴ جلد ۵

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک آپ اور آپ کے رفقاء کی عزت و احترام کا یہ حال تھا کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں ان سے استصواب رائے کیے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں فرماتے تھے۔ آلِ مروان کا باجبروت خلیفہ عبدالملک بن مروان بھی آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا اس نے اپنے بیٹوں ولید اور سلیمان کو بھی آپ کے احترام اور اعزاز کی وصیت کی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میرے دل میں بارہا خیال آیا کرتا ہے کہ اہلِ مدینہ کو ان کے غیر مخلصانہ رویہ کی سزا دوں، لیکن ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی یاد آتے ہی اپنا ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔ اور اپنے دل میں شرم محسوس کرتا ہوں، کہ ان کے ہوتے ہوئے اہلِ مدینہ کی بے حرمتی کا ارادہ کروں ؎۲۰

اولاد

آپ صاحبِ اولاد تھے۔ مختلف بیویوں سے آپ کے ہاں آٹھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے عبدالملک، عمر، عبداللہ اور سلمہ آپ کے شاگرد اور جلیل القدر محدث تھے۔

تلامذہ

آپ سے مقامی اور بیرونی بے شمار لوگوں نے کسبِ فیض کیا اور اس طرح اپنے اور ہزارہا دوسرے بندگانِ خدا کے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل خصوصیت کیساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کے بھتیجے قاسم بن محمد، امام ابن شہاب زہری، امام مجاہد، عکرمہ، امام شعبی، حضرت عمر بن عبدالعزیز، عبدالواحد بن ایمن، عبیداللہ بن کعب حمیری، حکیم بن عتیبہ اور عمرو بن دینار وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وفاتِ حسرت آیات

آپ کی وفات بڑے عجیب و غریب طریقے سے ہوئی۔ عصر کی نماز پڑھ کر نہانے کیلئے غسل خانہ میں داخل ہوئے۔ پاؤں پھسلنے کی وجہ سے گر پڑے اور غروبِ آفتاب سے پہلے ہی

؎۲۰ ابن سعد ص ۱۵۴ ج ۵

آپ کی روح قفسِ عنصری سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ حادثہ سنۃ الفقہاء ۹۴ھ کو ولید بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں وقوع پذیر ہوا۔ وفات سے کئی سال پہلے آپ کی بینائی زائل ہو گئی تھی۔

تغمدہ اللہ برحمتہ

☆☆☆☆☆☆

۷۔ حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ

۳۴ھ ——— ۱۰۷ھ

اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں غلاموں کو نہایت حقیر اور بے وقعت سمجھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اگر ان کا کوئی مصرف تھا تو یہ کہ وہ دوسروں کی خدمت کریں اور اپنے آقا کی غلامی کرتے کرتے حیاتِ مستعار کے دن پورے کریں اور بعد ازاں عالمِ آخرت کو سدھار جائیں۔ دنیا کے عیش و آرام اور باوقار و باعزت زندگی میں ان کا کوئی حصّہ نہیں تھا۔ عہدے اور مناصب تو ایک طرف رہے انہیں ایک شریف انسان بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور انہیں یہ حق نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ اجتماعی اور شہری حقوق میں دوسروں کے ساتھ برابر کے شریک ہوں۔

اسلام نے جہاں دوسرے اَن گنت معاشرتی مفاسد کی اصلاح کی وہاں غلامی کی حالت کو بھی بہتر بنایا۔ انہیں باوقار اور باعزت زندگی بسر کرنے کا حق بخشا اور یہ تسلیم کیا کہ ایک عالم اور اور ذی صلاحیت غلام، جاہل اور نالائق آزاد سے بدرجہا لائقِ احترام ہے۔ اسے حق پہنچتا ہے کہ اس کی استعداد اور قابلیّت کے مطابق اسے عہدے اور مناصب تفویض کیے جائیں، اس کی غلامی اخلاقِ حسنہ، ملکاتِ فاضلہ اور اعلیٰ مراتب کے حصول میں حائل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں موالی القوم من انفسھم فرما کر قولاً غلاموں کو دوسروں کے مساوی درجہ دیا وہاں عملاً ان کی حالت بہتر بنانے اور انہیں دوسرے انسانوں کی سطح پر لانے کی ابتدا اپنے گھر سے کی۔ اپنے غلام حضرت زید بن حارث کو آزاد کر کے اپنا متبنیٰ بنایا اور اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب رضؓ سے اس کی شادی کی۔ پھر جنگ موتہ میں اُن کو اس فوج کی سپہ سالاری بخشی جس میں حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ اور حضرت خالد بن ولید رضؓ جیسے نامی گرامی قریشی سردار معمولی سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔

اس جنگ میں حضرت زید رضؓ اپنے چند رفقاء سمیت شہید ہو گئے اور اسلامی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ اگلے سال پھر اسی مقام پر فوج بھیجی تو اس کی قیادت حضرت زید رضؓ کے لختِ جگر حضرت

اُسامہ کے سپرد کی۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف بھی رائے پیش کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ اور حضرت اسامہ رضہ کی سرکردگی میں ہی یہ لڑائی لڑی گئی۔ حضرت زید رضہ اور حضرت اسامہ رضہ پر ہی کیا موقوف ہے۔ دوسرے غلاموں کی قابلیت کا بھی کھلے دل سے اقرار کیا گیا، اور ان سے ان کے شایانِ شان سلوک روا رکھا گیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضہ، حضرت مصعب بن عمیر رضہ اور حضرت ابن ام کلثوم رضہ جیسے معزز مہاجرین اور اجلہ انصار کی موجودگی میں نماز پڑھاتے وقت امامت کے فرائض سالم مولی حذیفہ رضہ سرانجام دیا کرتے تھے۔

کیونکہ یہ اس وقت دوسرے سب لوگوں سے قرآن حکیم زیادہ جانتے تھے۔ ایک دفعہ عہدِ فاروقی رضہ میں مکہ کا حاکم امیرالمومنین حضرت عمر رضہ سے ملنے آیا۔ آپ نے پوچھا مکہ پر نائب کس کو مقرر کر کے آئے ہو؟ حاکم مذکور نے ایک غلام کا نام لیا۔ حضرت عمر رضہ نے انکار کے لہجہ میں کہا۔ اہل مکہ پر ایک غلام کو نائب مقرر کر دیا ہے؟ حاکم نے جواب دیا۔ وہ غلام سب سے زیادہ کتاب اللہ کو جاننے والا ہے۔

یہ سن کر حضرت عمر رضہ نے فرمایا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا الکتاب یرفع اللہ بہ اقواما ویضع بہ آخرین او کما قال یہ کہہ کر اس انتخاب کی تحسین فرمائی۔

غرض اسلام نے آزاد لوگوں کی طرح غلاموں کے لیے بھی ترقی کے راستے کھول دیئے اور اس میں حُر اور عبد کے درمیان کوئی حدِ فاصل باقی نہیں رہنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اسلامی تاریخ میں اکثر غلاموں کو اعلیٰ سے اعلیٰ دینی اور دنیوی مراتب پر اس طرح فائز دیکھیں گے کہ آزاد ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکے۔ ان ہی غلاموں میں سے ایک حضرت سلیمان بن یسارؒ بھی ہیں، جن کے حالات اس وقت ہدیۂ قارئین کیے جا رہے ہیں۔

یہ بزرگ بالاتفاق فقہاءِ سبعہ میں شمار ہوتے ہیں اور یہ وہ اعزاز ہے جس کے حاصل کرنے سے لاکھوں آزاد محروم رہے۔ سچ ہے

من بطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ

نام و نسب

آپ کا نام سلیمان بن یسارؒ اور کنیت ابوایوب تھی ۔ آپ کے سالِ پیدائش اور سالِ وفات میں بہت اختلاف ہے ۔ عموماً سالِ وفات ۱۰۷ھ اور عمر ۷۳ ، سال بیان کی گئی ہے ۔ اس لحاظ سے آپ ۳۴ھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ کے غلام تھے ۔ ان سے مکاتبت[۱] کرلی اور رقم کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو گئے ۔

طلبِ علم

عام معمول کے خلاف آپ نے عنفوانِ شباب میں علم حاصل کرنا شروع کیا اور اپنی مالکہ حضرت میمونہ رضؓ کی خدمت کے ساتھ ساتھ اس وادی میں بھی آگے بڑھتے چلے گئے ۔ ذہن رسا پایا تھا ، پھر مہبطِ وحی مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فیض بخش صحبت وہم نشینی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ۔ چنانچہ گلستانِ علم سے اس قدر دامن بھرے کہ اپنے ہم عصروں کو بہت پیچھے چھوڑ گئے اور اپنے لیے شہرۂ آفاق فقہاء سبعہ میں جگہ پیدا کرلی ۔ اور امت نے بھی آپ کو بالاتفاق فقہاء کے اس اونچے طبقہ کی جماعت کا ایک ممتاز رکن تسلیم کرلیا ۔

اساتذہ

آپ نے تحصیلِ علم کے لیے مندرجہ ذیل صحابۂ کرام اور امہات المومنین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ ، حضرت جابر رضؓ ، حضرت حسان رضؓ بن ثابت ، حضرت ابو رافع رضؓ ، حضرت زید بن ثابت رضؓ ، حضرت مقداد بن اسود رضؓ ، حضرت ابوسعید خدری رضؓ ، حضرت ابوہریرہ رضؓ ، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ ، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضؓ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین ۔

غور فرمایئے آپ کو کس قدر بلند پایہ گرامی قدر اور برگزیدہ صحابہ کرام رضؓ کی صحبت نصیب ہوئی ۔ اور کیسی کیسی یگانۂ روزگار اور مایۂ ناز ہستیوں سے کسبِ فیض کے مواقع میسر آئے ۔ آپ

---

[۱] مکاتبت یہ ہے کہ غلام اپنے آقا سے کچھ رقم طے کرلیتا ہے اور اس کے ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے

نے بھی اپنی ہوش مندی، عالی ہمت اور ان تھک سعی و عمل سے اپنے آپ کو اسی مقام رفیع کا مستحق ثابت کر دکھایا۔ جس کا اہل در حقیقت ایسے حضرات کے فیض یافتہ کو ہونا چاہیئے۔

غلام ہونے کی وجہ سے امہات المؤمنین آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں، اس لیے آپ کو اعلم الناس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں رہ کر قریب سے استفادہ کا وہ موقعہ ہاتھ آیا جو دوسروں کو آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ نے ان سے بہت زیادہ کسب فیض کیا، اور یہ سلسلہ ان کے آزاد ہونے تک برابر جاری رہا۔ خود فرماتے ہیں ایک دن میں نے ام المومنین کے پاس آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے میری آواز پہچان کر فرمایا سلیمان ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! سلیمان ہوں، پوچھا تم نے اپنی کتابت کی رقم ادا کر دی ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ادا ہو گئی ہے، صرف چند درہم باقی رہ گئے ہیں آپ نے فرمایا، اندر آجاؤ، جب تک تم پوری رقم ادا نہیں کرتے تم غلام ہی ہو۔[1]

ام المومنین کے دریافت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب مکاتب اپنی قیمت ادا کر دیتا ہے تو آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے دوسرے لوگوں کی طرح پردہ واجب ہو جاتا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی عطاء بن یسار جلیل القدر تابعیؒ اور بڑے پائے کے محدث تھے۔ دفاتر حدیث ان کی مرویات سے بھرپور ہیں اور بڑے بڑے ائمہ دین ان کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہیں۔ ان کے دو اور بھائی عبداللہ اور عبدالملک بھی حدیث سے خوب واقف تھے۔ مگر امام سلیمان اور عطاء کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے۔ یہ چاروں بھائی ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔

علم وفضل

کتاب و سنت سے مستنبط شدہ فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ اسی کمال اور مہارت تامہ کی وجہ سے بالاتفاق فقہاء سبعہ میں آپ کا شمار ہوا۔ ہمعصر اور بعد کے علماء نے آپ کی اجتہادی استعداد اور فقہی قابلیت کی بڑے شاندار الفاظ میں شہادت دی ہے۔ اور علوم شریعت کی نشر و اشاعت میں آپ کی خدمات کو کھلے دل سے خراج تحسین ادا کیا ہے

---

[1] ابن سعد ص ۱۳۰ ج ۵

امام المحدثین حضرت سعید بن مسیب (جو فقہاء سبعہ کے رئیس اور فقیہ الفقہاء کے اُونچے لقب سے ملقب ہیں)، کے پاس جب کوئی سائل فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو فرماتے، سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ، آج وہ روئے زمین کے سب سے بڑے عالم ہیں [3]

حسن بن محمد کہتے ہیں سلیمان ہمارے نزدیک سعید بن مسیب سے زیادہ سمجھدار ہیں [4]

امام مالکؒ کا بیان ہے سعید بن مسیب کے بعد سلیمان عام لوگوں میں سے ہیں [5]

حافظ ذہبیؒ نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

سلیمان بن یسار المدنی الفقیہ العلم وکان من ائمۃ الاجتہاد [6]

ابن سعد لکھتے ہیں:

کان ثقۃ عالما رفیعا فقیہا کثیر الحدیث [7]

یعنی آپ ثقہ، عالی قدر، بلند مرتبہ، فقیہ اور بہت حدیث بیان کرنے والے تھے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

لہ روایات کثیرۃ [8]

یعنی آپ سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔

امام نووی تہذیب الاسماء ص ۲۳۵ ج اوّل میں لکھتے ہیں:

واتفقوا علی وصفہ بالجلالۃ وکثرۃ العلم وھو احد الفقھاء السبعۃ۔

یعنی علماء نے بالاتفاق آپ کو بزرگی اور فراوانی علم کے ساتھ موصوف کیا ہے، اور آپ مدینہ کے سات مشاہیر فقہاء میں سے ایک ہیں۔

امام ابوزرعہ رازی جو فن جرح وتعدیل کے مسلّم امام ہیں۔ آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

سلیمان مدنی ثقۃ مامون، فاضل، عابد [9]

امام نسائی فرماتے ہیں:

قال نسائی ھو احد الائمۃ [10]

آپ ائمہ میں سے ایک امام ہیں۔

---

[3] ابن خلکان ص ۲۱۳ ج ۱ [4] شذرات الذہب ص ۱۳۴ ج ۱ [5] تہذیب التہذیب ص ۲۲۹ ج ۴ [6] تذکرۃ الحفاظ ص ۸۵ ج ۱ [7] ابن سعد ص ۱۳۰ ج ۵ [8] البدایہ ص ۲۴۴ ج ۹ [9] تہذیب التہذیب ص ۲۳۵ ج ۱ [10] حوالہ مذکور

ابوالزناد کے الفاظ یہ ہیں:

انہ احد الفقہاء السبعۃ اہل ثقۃ وصلاح، عابد[11]

آپ فقہاء سبعہ میں سے ایک ہیں، فقاہت صلاحیت اور فضیلت سے موصوف ہیں[11]

امام عجلی فرماتے ہیں:

مدنی، تابعی ثقۃ مامون فاضل عابد[12]

مسندِ تدریس

تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوئے، قرآن حکیم، حدیث شریف، قضایائے صحابہ رض اور اقوالِ تابعین کا جو گراں بہا ذخیرہ آپ نے سال ہا سال کی مسلسل محنت و کاوش سے جمع کیا تھا۔ اب پورے انہماک اور انتہائی خلوص کے ساتھ طلبۂ علم کے قلب و دماغ میں اتارنا شروع کیا۔ اور جو امانت اساتذہ کرام سے حاصل کی تھی۔ اسے اپنے شاگردانِ عزیز کے سپرد کرنے لگے۔ علومِ شریعت کی نشر و اشاعت کو آپ نے تعلیمی و تدریسی مساعی تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ فتوٰی نویسی کی صورت میں بھی زندگی بھر ان کے فیض کو عام کرتے رہے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب اپنے پاس آنے والے تمام فتاوے ان کی طرف منتقل کر دیتے تھے۔ اور ان کے جوابات آپ ہی دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو نکاح و طلاق کے مسئلے خوب مستحضر تھے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں۔ میں مدینہ منورہ آیا تو پوچھا یہاں کے اہلِ علم سے طلاق کے مسائل زیادہ کون جانتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سلیمان زیادہ جانتے ہیں[13]؟ پھر جیسا کہ امام عبداللہ بن مبارک نے تصریح فرمائی ہے۔ عدالتوں میں پیش ہونے والے پیچیدہ اور لاینحل مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے اکثر فقہاء سبعہ کے اجلاس بلائے جاتے تھے۔ جن میں آپ کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ یہاں جو امر طے پاتا تھا اس کے مطابق قاضی فیصلہ دیتے تھے[14]

غرض جس طرح بھی بن پڑا علومِ شریعت کی ترویج میں آپ نے امکانی کوشش کی۔ اور ان

---

[11] تہذیب التہذیب ص ۲۲۹ ج ۴ [12] حوالہ مذکور [13] ابن خلکان ص ۲۱۳ ج ۱ [14] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۱۵ ج ۶

کو اوجِ کمال تک پہنچانے میں کسی قسم کی مداہنت سے کام نہیں لیا۔

منصب

تعلیمی و تبلیغی استعداد۔ کے ساتھ ساتھ آپ میں نظم و نسق کی ذمہ داری سنبھالنے کی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ کی اس تنظیمی قابلیت و استعداد کو دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے جب وہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ آپ کو مدینہ منورہ کی منڈی کا افسر اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ چنانچہ منڈی کا تمام کاروبار آپ کی زیر نگرانی ہوتا تھا۔ اس وقت آپ بنو جدیلہ میں سکونت پذیر تھے [۱۵]

عبادت

آپ کو عبادت سے بے حد محبت تھی وقت آنے پر تمام کام کاج چھوڑ کر اس میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پھر دوسری کوئی مصروفیت آپ کی عبادت میں خلل انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں:

كان من المجتهدين في العبادة — یعنی آپ عبادت میں بے حد کوشش کرنے والے تھے۔

قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں:

كان عالماً ثقةً ورعاً عابداً حجة [۱۶] — آپ لائقِ اعتماد عالم، پرہیزگار، عابد اور حجت تھے۔

حافظ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے:

كان من فقهاء المدينة وقرائهم [۱۷] — آپ مدینہ کے فقہاء اور کثرت سے قرآن حکیم کی تلاوت کرنیوالوں میں سے تھے۔

دوسرے محدثین نے بھی آپ کو فاضل، عابد کی صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

عفت و پاکبازی

آپ نہایت حسین و جمیل اور صورت و سیرت میں یوسف علیہ السلام کے مثیل تھے۔

---

[۱۵] ابن سعد ص ۱۴۰ ج ۵ [۱۶] ابن خلکان ص ۲۱۳ ج ۱ [۱۷] تہذیب التہذیب ص ۲۳۰ ج ۴

تذکرہ نویسوں نے آپ کے حق میں کان من احسن الناس وجہا اور بعض نے کان من اجمل الناس وجہاً کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ جو آپ کے حسن و جمال پر دال ہیں۔ رہی عفت و پاکبازی تو اس کے متعلق حافظ ابو نعیم اصفہانی اور حافظ ابن کثیر نے ایسا عبرت آموز واقعہ ذکر کیا ہے جسے پڑھ کر ہزاروں سال پہلے گزرا ہوا یوسف علیہ السلام کا واقعہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ پڑھیئے اور غور فرمایئے کہ کس طرح اللہ والے نازک سے نازک موقعہ پر اپنے ایمان کو سلامت لے جاتے ہیں، اور کس طرح حیوانی خواہشیں اور شیطانی قوتیں ان کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا کرنے سے عاجز آجاتی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایک دفعہ آپ حج کے ارادے سے مکۂ معظمہ روانہ ہوئے۔ ایک رفیق بھی ہمراہ تھا۔ جب مقام ابواء میں پہنچے تو آپ کا رفیق سامان خورد و نوش لینے کے لیے بازار چلا گیا۔ آپ خیمہ میں تنہا رہ گئے۔ شکل و صورت کے بڑے حسین تھے۔ اور تورع و پرہیز گاری میں بھی بے نظیر تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر خیمہ میں مقیم ایک پری جمال بدوی عورت آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر اور خیمہ میں آپ کو تنہا پا کر بے قرار ہو گئی۔ وہ دستانے پہن کر اور برقعہ اوڑھ کر نیچے اتر آئی اور آپ کے سامنے آکر چاند جیسے چہرے سے نقاب الٹ دی۔ اور کہنے لگی۔ خدارا مجھ پر رحم کرو۔ آپ سمجھے بے چاری بھوکی ہے اور کچھ کھانے کو مانگتی ہے۔ اس لیے آپ نے اسے کچھ دینے کے لیے دستر خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بولی، اس کی مجھے حاجت نہیں ہے۔ میں آپ سے وہ فعل چاہتی ہوں جس کی ایک عورت کو اپنے خاوند سے خواہش ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے شیطان نے میرا ایمان سلب کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ پھر خدا کے خوف سے آستینوں میں منہ چھپا کر رونے لگے۔ اس قدر روئے اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے دامن تر ہو گیا۔ عورت یہ نظارہ دیکھ کر مایوس ہو گئی۔ اور برقعہ اوڑھ کر اپنے خیمہ میں واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کا رفیق کھانے پینے کی چیزیں لے کر واپس آیا تو دیکھا کہ کثرت گریہ کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سوج گئی ہیں اور آواز بیٹھ گئی ہے۔ اس نے رونے کا سبب پوچھا۔ تو فرمایا۔ کوئی بات نہیں۔ بچوں کی یاد سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ وہ بولا رونے کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی ہے۔ بچوں سے جدا ہوئے آپ کو تین دن ہو گئے ہیں۔ پہلے آپ کبھی اتنے پریشان نہیں،

ہوئے۔ بالآخر ساتھی کے شدید اصرار پر آپ نے عورت کا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر آپ کے رفیق نے سامان کی گٹھڑی رکھ دی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آپ نے پوچھا اب تم کیوں روتے ہو؟ بولا میں آپ سے رونے کا زیادہ حقدار ہوں۔ فرمایا کیوں؟ بولا اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو واللہ! ارتکاب معصیت میں مبتلا ہو جاتا۔

راوی کا بیان ہے کہ دیر تک دونوں رفیق روتے رہے۔ پھر جب آپ مکہ معظمہ پہنچے اور طواف و سعی سے فارغ ہو کر ذرا سستانے کے لیے حطیم میں بیٹھے تو آپ پر نیند غالب آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حسین و جمیل دراز قامت انسان زرق برق لباس میں ملبوس آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے جسم اور کپڑوں سے نہایت عمدہ خوشبو مہک رہی ہے۔ آپ نے پوچھا اللہ تعالےٰ آپ پر رحم کرے۔ آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں یوسف بن یعقوب ہوں۔ پوچھا یوسف صدیق؟ بولے ہاں یوسف صدیق ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں نے کہا واللہ، آپ کا اور عزیز مصر کی بیوی کا قصہ بڑا عجیب اور عبرت خیز ہے! یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، تمہارا اور ابواء میں مقیم بدوی عورت کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے[۱۸]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

انا یوسف الذی ھممت وانت سلیمان الذی لم تھم

حافظ ابونعیم نے آپ کا ترجمہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

العابد المجاہد المعصوم حین الفتنۃ من الفجار ابو ایوب سلیمان بن یسار[۱۹]

روزہ و حج

آپ کو صلوٰۃ و مناجات کی طرح دوسری عبادات روزہ و حج سے بھی بڑی رغبت اور بے حد دلبستگی تھی۔ سفر حج میں ہی وہ واقعہ پیش آیا جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔ روزہ سے آپ کی محبت اور پابندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ عیدین اور ایام تشریق کو چھوڑ کر باقی پورا سال روزہ رکھا کرتے تھے۔

---

[۱۸] حلیۃ الاولیاء ص ۱۹۱ ج ۱، البدایہ والنہایہ ص ۲۷۴ ج ۹، تذکرۃ الحفاظ ص ۸۵ ج ۱، صفۃ الصفوۃ ص ۵۴ ج ۲ [۱۹] حلیہ ص ۱۹۰ ج ۲

امام ابوالزناد کا بیان ہے :

کان سلیمان بن یسار یصوم الدھر وکان عطا یصوم یومًا ویفطر یومًا[۵۲]

امام سلیمان صائم الدھر تھے اور امام عطا ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

تلامذہ

آپ سے مقامی اور بیرونی بہت سے طلباء نے کسبِ فیض کیا۔ چند چوٹی کے ائمہ دین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

امام العلماء حضرت ابن شہاب زہری، امام عمرو بن دینار، امام مکحول، امام عبداللہ بن دینار، امام قتادہ، امام یحییٰ بن سعید انصاری، صالح بن کیسان، نافع مولی ابن عمر، عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرملہ، یعلی بن حکیم، ابوالزناد، بکیر بن الاشج، جعفر بن عبداللہ، اور سالم ابوالنضر وغیرہم رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین۔

وفات

تقریبًا نصف صدی تک علم وعرفان کی ضیاپاشی کرنے کے بعد اسلام کا یہ نیّرِ اعظم مدینہ طیبہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ ۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۳ سال عمر پاکر ہشام بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں ۱۰۷ھ کو انتقال فرمایا۔

تغمدہ اللہ تعالٰی برحمتہ وادخلہ الجنۃ الفردوس

☆☆☆☆☆☆

۵۲۔ صفۃ الصفوۃ ص ۷۴ ج ۲

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ

۲۲ھ ——— ۹۴ھ

نام ونسب

آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو سلمہ ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف الزہری القرشی۔ بعض نے آپ کا نام اسماعیل بھی بتایا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اسمہٗ کنیتہٗ قالہ مالک [۱] آپ ۲۲ھ کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ اوران دس صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں ہی جنّت کی بشارت دی ہے۔ اور عرفِ عام میں عشرہ مبشّرہ کہلاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لیے جن چھ افراد پر مشتمل کمیٹی مقرر کی تھی اور جن کے حق میں فرمایا تھا، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تشریف لے گئے ہیں، اس کمیٹی کے بھی آپ رکن تھے۔ کمیٹی کے جملہ ارکان کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے بالاتفاق انتخاب کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا۔ کئی دن کی تگ ودو کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ رائے عامہ حضرت عثمان رضؓ کے حق میں ہے۔ اس لیے آپ نے حضرت عثمان رضؓ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے ان کو بالاتفاق اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضؓ نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی۔ جب سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے ہیں تو آپ بھی حبشہ سے مراجعت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج دے کر آپ کو دومۃ الجندل کی طرف بھیجا۔ اور اجازت دی کہ فتح حاصل کرنے کے بعد وہاں کے بادشاہ اصبغ بن ثعلبہ کلبی کی بیٹی سے شادی کر لیں۔ چنانچہ آپ نے یہ مہم سر کرنے کے بعد اصبغ کی لڑکی تماضر سے شادی کر لی۔ جس کے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ

بطن سے صاحب ترجمہ حضرت ابو سلمہ پیدا ہوئے ؎۱

آپ بہت بڑے تاجر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس پیشہ میں اس قدر برکت عطا فرمائی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں امیر کبیر بن گئے اور مالدار ترین صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ خدا تعالیٰ کی خوشنودی و رضا مندی حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرنے میں آپ بڑے فیاض اور فراخدل واقع ہوئے تھے۔

ایک دفعہ جنگی مہم درپیش تھی۔ تو اس میں آپ نے اپنا نصف مال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا۔ ایک دفعہ چالیس ہزار پونڈ سے اعانت فرمائی۔ کسی دوسرے موقعہ پر پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ دیئے اور زندگی میں تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ جنگِ تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اقتدار میں نماز ادا فرمائی تھی اور یہ وہ سعادت ہے جو ابوبکر رضؓ کو چھوڑ کر بجز آپ کے کسی دوسرے انسان کے حصہ میں نہیں آئی۔

طلبِ علم

حضرت عبدالرحمان طبقہ اولیٰ کے مالدار اور صاحبِ ثروت صحابہ رضؓ میں سے تھے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا۔ اس لیے آپ کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہ کو نہایت اطمینان اور فارغ البالی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ جلیل القدر صحابہ کرام رضؓ کی ہم نشینی اور ان سے تلمذ کے مواقع گھر پر ہی میسر تھے۔ اس لیے آپ نے ان کے علوم و معارف سمیٹنے میں بڑی سرگرمی سے کام لیا۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ اپنی فراوانی علم کی وجہ سے فقہاء مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں شمار ہونے لگے۔ حتیٰ کہ علماء کی ایک جماعت نے آپ کو فقہاء سبعہ کا ایک فرد قرار دیا ہے ؎۲۔

اساتذہ

آپ کو اپنے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ رضؓ کرام سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ،

؎۱ الاصابہ فی تمییز الصحابۃ ج ۴ ص ۱۷۶ ؎۲ الاصابہ ج ۴ ص ۱۷۷

حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ، حضرت ابو سعید خدری رضؓ، حضرت امیر معاویہ بن حکیم رضؓ، حضرت ربیعہ بن کعب رضؓ، ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ، حضرت ام سلمہ رضؓ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضؓ، حضرت انس رضؓ اور حافظِ صحابہ حضرت ابو ہریرہ رضؓ اور حضرت رافع بن خدیج رضؓ۔ ان صحابہ رضؓ کے علاوہ کبار تابعین کے خرمنِ علم سے بھی خوشہ چینی کی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین۔

علم و فضل

آپ کی وسعتِ علم، فقہی قابلیت اور اجتہادی بصیرت کی تمام علماء سلف اور خلف نے شہادت دی ہے۔ اور علومِ دین کی نشر و اشاعت میں آپ کی خدماتِ جلیلہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام الائمہ حضرت امام ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

اربعة من قريش وجدتهم بحورا ابن المسيب وعروة وعبيد الله وابو سلمة [۴]	میں نے سمندر جیسا وسیع علم رکھنے والے قریش میں چار اہلِ علم کو پایا ہے۔ جو یہ ہیں حضرت سعید بن مسیب حضرت عروہ، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ اور حضرت ابو سلمہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

امام ابوزرعہ جو بہت بڑے ناقد اور جرح و تعدیل کے امام ہیں آپ کے حق میں فرماتے ہیں:

ثقة امام	اور قابلِ اعتماد ہیں اور امام ہیں۔

امام ابن حبان لکھتے ہیں:

كان من سادات قريش	یعنی آپ قریش کے سردارانِ نامدار میں سے ہیں۔[۵]

حافظ ذہبیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

ابو سلمه بن عبد الرحمن بن عوف الزهري المدني الحافظ كان من كبار ائمه التابعين غزير العلم ثقة عالما [۶]	یعنی آپ قوی الحافظہ، لائقِ اعتماد اور وسیع علم رکھنے والے عالم ہیں اور تابعین میں چوٹی کے اماموں میں سے ایک ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

---

[۴] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۶ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹ و شذرات الذہب ج ۱، ص ۱۰۵ [۵] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۷ [۶] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۹

کان احد فقھاء المدینۃ وکان اماماً عالماً لہ روایات کثیرۃ عن جماعۃ من الصحابۃ وکان واسع العلوم۔

آپ فقہاء مدینہ کے ایک فرد اور امامت کے درجہ تک پہنچے ہوئے عالم ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت سے کثیر احادیث روایت کرتے ہیں آپ کا علم بہت وسیع ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

ھو مدنی من کبار التابعین احد فقھاء المدینۃ السبعۃ علی احد الاقوال واتفقوا علی جلالتہ وامامتہ و عظم قدرہ وارتفاع منزلتہ۔

یعنی آپ مدینہ کے رہنے والے چوٹی کے تابعینؒ میں سے ایک ہیں اور مدینہ کے فقہاء سبعہ کا فرد سمجھے جاتے ہیں آپ کی جلالت، امامت، عظمت اور علو منزلت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

محمد بن سعد لکھتے ہیں:

کان ثقۃ فقیھا کثیر الحدیث

ابن العماد حنبلی تحریر فرماتے ہیں:

ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن الزھری المدنی احد الائمۃ الکبار

آپ کے تبحر علمی کا اندازہ مذکورہ بالا تصریحات کے علاوہ علامہ ذہبیؒ کے اس قول سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے۔

کان ابو سلمۃ یتفقہ ویناظر ابن عباس ویراجعہ

یعنی ابو سلمہ حبر امت حضرت عباسؓ سے تفقہ سیکھتے تھے۔ اور اکثر ان کے ساتھ بحث و تکرار میں مشغول رہتے تھے۔

غور فرمائیے۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تبادلۂ افکار کرنے کے لیے کس قدر وسیع علم اور کثرتِ معلومات کی ضرورت ہے۔ امام شعبیؒ آپ کی علمی برتری کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ے البدایہ ج ۹ ص ۱۱۶ ۵ شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۰۵ ۵ تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۵۹

خلا علینا ابو سلمة فمشی بینی وبین ابی بردة فقلنا له من افقه من خلفت ببلادك فقال رجل بینکما وفی روایة فتمنع وتاخر ساعة ثم قال رجل بینکما

یعنی ابوسلمہ ہمارے ہاں تشریف لائے ایک دن میرے اور ابوبردہ کے درمیان چل رہے تھے۔ ہم نے پوچھا آپ کے ملک میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ بہت کچھ پس وپیش کے بعد فرمانے لگے سب سے بڑا فقیہ وہ ہے جو اس وقت تمہارے درمیان چل رہا ہے [۱۰]

منصبِ قضا

آپ منصبِ قضا پر بھی فائز رہے۔ چنانچہ عرصہ تک مدینہ منورہ میں عدالت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:

ان سعید بن العاص لما ولی المدینة من معاویة بن ابی سفیان فی المرة الاولی استقضی ابا سلمة علی المدینه فلما عزل سعید وولی مروان المدینة المرة الثانیة عزل اباسلمة عن القضاء وولی اخاه مصعب بن عبد الرحمن القضاء [۱۱]

جب امیر معاویہ کی طرف سے سعید بن عاص پہلی دفعہ مدینہ منورہ کے گورنر ہو کر آئے تو انہوں نے مدینہ کی قضا کا عہدہ ابوسلمہ کے سپرد کیا۔ جب سعید معزول ہوا اور اس کی جگہ مروان دوسری مرتبہ حاکم مدینہ ہو کر آئے تو ابوسلمہ کو ہٹا کر ان کے بھائی مصعب بن عبدالرحمن کو منصب قضا پر مقرر کر دیا۔

حلیہ اور عام حالات

آپ بڑے حسین وجمیل اور مضبوط اور توانا تھے آپ کا رنگ سونے کی طرح چمکتا تھا۔ سر اور داڑھی پر کبھی خالص مہندی اور کبھی مہندی اور وسمہ سے مرکب خضاب لگایا کرتے تھے خز کی زرد چادر اکثر زیبِ تن رہتی تھی۔

آپ صاحبِ اولاد تھے۔ مختلف بیویوں سے آپ کے ہاں آٹھ لڑکے اور آٹھ

---

[۱۰] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۷ و طبقات الفقہاء للشیرازی ص ۶۱ [۱۱] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۵، اور تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۷

لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

تلامذہ

آپ نے اپنی زندگی علوم شریعت کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس لیے مخلوقِ خدا کی ایک بڑی تعداد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی ائمہ کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ چند اسماء درج ذیل ہیں۔

آپ کے صاحبزادے عمر۔ بھتیجے سعد بن ابراہیم، عبدالمجید بن سہل اور زرارہ بن مصعب، حضرت عروہ بن زبیر رضؓ امام ابن شہاب زہریؒ، امام یحییٰ بن ابی کثیر، امام یحییٰ بن سعید انصاری، امام ابوالزناد امام شعبیؒ، امام سلمہ بن کہیل، عمرو بن دینار، اور بہت سے لوگ رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہم اجمعین۔

وفات

تقریباً نصف صدی تک علم و عرفان کی بارش برسانے اور قال اللہ وقال الرسول کی دل افروز صدائیں بلند کرنے کے بعد ۹۴ھ کو ولید بن عبدالملک کے عہدِ خلافت میں وفات پا گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ نے ۷۲ سال عمر پائی۔

تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ

✡✡✡✡✡✡

حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب

آپ کا نام سالم بن عبداللہ اور کنیت ابو عمر ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سالم بن عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر بن الخطاب العدوی القرشی۔ آپ مدینہ طیبہ میں ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے جو ایران کے آخری تاجدار کسریٰ یزدگرد کی دختر تھیں۔ سالم مولیٰ حذیفہ (ایک عالم فاضل صحابی رضہ) کے نام پر آپ کا نام سالم رکھا گیا۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضہ بڑے جلیل القدر صحابی رضہ ہیں آپ ابھی بچے ہی تھے جب اپنے والد فاروق اعظم رضہ کے ساتھ اسلام لائے اور ان سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ بدر اور احد میں صغر سنی کی وجہ سے اجازت نہیں ملی تھی۔ اس لیے آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا آغاز غزوۂ احزاب سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ آنحضرت کی سنّت کے عاشق صادق تھے۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لیے گئے۔ راستہ میں جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا نمازیں پڑھیں، سونے کے لیے لیٹے یا کسی جگہ اونٹنی بٹھائی آپ نے ان مواضع کو خوب یاد رکھا۔ پھر مدت العمر آپ کا یہ معمول رہا کہ جب حج کو تشریف لے جاتے تو جس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام کرتے دیکھا آپ بھی وہاں وہی کام کرتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ نماز پڑھی تو آپ بھی نماز پڑھے بغیر وہاں سے نہ گزرتے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مقام پر رات بسر کی تو یہ بھی وہاں ضرور رات بسر کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضہ بڑے زاہد، متورع اور دنیا سے کنارہ کش تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضہ کی شہادت کے بعد آپ نے مسلمانوں کی خانہ جنگیوں میں حصّہ نہیں لیا۔ اور نہ حصولِ خلافت اور جاہ طلبی کے لیے کوئی کوشش کی۔ بلکہ اس کے برعکس جب لوگوں نے آپ سے بیعت کی التجا کی اور کہا، آپ لوگوں کے سردار ہیں۔ ان کے سردار کے بیٹے ہیں اور عوام کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا آیئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرنا چاہتے

ہیں تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں واللہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے[1]۔ اور خانہ کعبہ میں حالتِ سجدہ میں یہ کہتے ہوئے سنے گئے! باری تعالیٰ خلافت کے سلسلہ میں صرف تیرا خوف ہی مجھے قریش کے ساتھ حرب وقتال اور مزاحمت سے روک رہا ہے[2]

آپ کو نماز روزہ سے بے حد محبت تھی رات کو تھوڑا سوتے پھر رات بھر نماز میں مصروف رہتے۔ یہی حال روزہ کا تھا۔ سوائے چند روز کے سارا سال روزہ رکھتے تھے۔ صدقہ و خیرات کے بھی بہت دلدادہ تھے۔ ایک ایک مجلس میں تیس تیس ہزار روپیہ بلکہ اس سے بھی زیادہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ عمرو بن میمون کا بیان ہے۔

اتت ابن عمر اثنان وعشرون الف دینار فی مجلس فلم یقم حتی فرقھا[3]	یعنی ایک دفعہ آپ کے پاس ۲۲ ہزار دینار آئے جو آپ نے وہاں بیٹھے بیٹھے تقسیم کر دیئے۔

ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے حج بھی قریب قریب ہر سال کیا کرتے تھے۔ آپ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے حافظ اور کثیر الروایت صحابی رضہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضہ کو چھوڑ کر آپ کی مرویات سب صحابہ سے زیادہ ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۶۳۰ ہے۔ اور حضرت سالم کے دادا فاروق اعظم رضہ ہیں جن کے متعلق کچھ عرض کرنا تحصیلِ حاصل ہے۔

علم سے خاندانی تعلق

آپ کے دادا حضرت فاروقِ اعظم رضہ اور والد حضرت عبداللہ رضہ سابقین اوّلین صحابہ رضہ میں سے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضہ آپ کی حقیقی پھوپھی ہیں آپ کے چچا حضرت عاصم رضہ صغار صحابہ رضہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی مرویات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں آپ کے بھائی حضرت حمزہ رضہ، عبداللہ اور بلال رضہ جلیل القدر تابعی اور عالی مقام محدث تھے۔

طلب علم

اسلام کے سرتاپا حامی اور پُرجوش مبلّغ خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ آپ علم دین جیسی لازوال دولت سے محروم رہتے اور خاندانی روایات کے مطابق اپنی ان تھک

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص ۳۶ ج ۱ [2] تذکرہ ص ۳۵ ج ۱ [3] صفۃ الصفوہ ص ۲۳۲ ج ۱

اور جان گسل مساعی سے اپنے لیے شایانِ شان مقام پیدا نہ کرتے۔ چنانچہ سنِ رشد کو پہنچتے ہی آپ نے عظیم المرتبت صحابہ کرام رضؓ اور گرامی قدر تابعین عظامؒ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ شمعِ علم کے گرد پروانہ وار گھومے اور سالہاسال شب و روز کی مسلسل محنت و کوشش سے علم میں وہ مقام پیدا کیا کہ آپ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ میں شمار ہونے لگے یہ وہ مقام ہے جو مدینہ طیبہ کی چند خوش نصیب ہستیوں کے علاوہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہیں آیا ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست!

تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

اساتذہ

اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ سے کسبِ فیض کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت ابورافع رضؓ، حضرت ابوایوب انصاری رضؓ، حضرت ابولبابہ رضؓ، حضرت رافع بن خدیج رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ وغیرہم۔ مذکورہ بالا صحابہ رضؓ کرام کے علاوہ بے شمار تابعین سے بھی استفادہ کیا رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

علم وفضل

فقہاء سبعہ میں شمار ہونے کے بعد آپ کے علم وفضل کے بیان کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ اس مقدس گروہ میں شامل ہونا بجائے خود انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ مگر تاہم آپ کے مقام رفیع کا صحیح صحیح اندازہ کرنے کے لیے بطورِ نمونہ چند شہادتیں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں:

اجمعوا علیٰ امامتہ وجلالتہ وزھدہ وعلو مرتبتہ [۱]

یعنی آپ کی امامت، جلالت قدر، زہد فی الدنیا اور علوِ مرتبت پر جملہ علماء کا اتفاق ہے۔

ابن سعد لکھتے ہیں:

وکان ثقۃ کثیر الحدیث عالیا من الرجال ورعا [۲]

یعنی آپ ثقہ، کثیر الحدیث، بلند پایہ اور بلند قدر اور پرہیزگار آدمی تھے۔

---

[۱] تہذیب الاسماء ص ۲۰۷ ج ۱ [۲] ابن سعد ص ۱۴۸ ج ۵

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ حضرت سالم مدینہ منورہ کے رہنے والے لائق اعتماد تابعی ہیں امام عبداللہ بن مبارک نے فقہاء سبعہ کا ذکر کیا اور فرمایا ان میں سے ایک سالم ہیں۔ یہ لوگ پیش آمدہ مسائل پر باہم مل کر غور و فکر کرتے تھے۔ عدالتوں کے مرجع پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے مقدمات ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ جب یہ حضرات کسی نتیجہ پر پہنچتے تو قضاۃ اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے ۶

حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ سالم بن عبداللہ مدینہ کے رہنے والے فقیہ اور حجت ہیں۔ آپ کا شمار ان چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے جو علم، عمل، زہد اور شرافت سے موصوف ہیں ۷

ابوالزناد فرماتے ہیں:

کان اهل المدینة یکرهون اتخاذ امهات الاولاد حتی نشأ فیهم الغر السادة علی بن حسین والقاسم بن محمد وسالم بن عبد الله ففاقوا اهل المدینة علما وتقی وعبادة وورعاً فرغب الناس حینئذ فی السراری ۸

یعنی پہلے پہل اہل مدینہ لونڈیاں رکھنے اور ان سے اولاد حاصل کرنے کو ناپسند کرتے تھے جب انہیں زین العابدین، قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ جیسے عالی مرتبہ فقیہ اور سردار پیدا ہوئے اور علم و فضل، اتقاء، عبادت اور پرہیزگاری میں تمام اہل مدینہ پر فوقیت لے گئے تو انہیں دیکھ کر لوگ لونڈیوں میں رغبت کرنے لگے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے افضل ترین انسان تھے۔ کسی نے امام یحییٰ بن معین سے پوچھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث سالم زیادہ جانتے تھے یا نافع مولیٰ ابن عمر؟ فرمانے لگے علماء کا بیان ہے کہ جب تک سالم زندہ رہے تو نافع نے حدیث بیان کرنے کی ہمت نہیں کی ۹

آپ کے علم و فضل کے پیش نظر آپ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان سے بڑی محبت تھی، جب ان سے ملتے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور فرماتے الا تعجبون

---

۶ تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۵۱ ج ۶ ۷ تذکرۃ الحفاظ ص ۸۲ ج ۱ ۸ تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۵۱ ج ۶، تہذیب التہذیب ص ۴۳۷ ج ۳ ۹ تاریخ ابن عساکر ص ۵۱ ج ۱۱

من شیخ یقبل شیخاً نیز فرماتے، سالم! مجھے تم سے دوگونہ محبت ہے۔ ایک اسلام میں کمال کی وجہ سے اور دوسری قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر۔ جب لوگ اس شدید محبت پر ملامت کرتے تو فرماتے ؎

یلوموننی فی سالم والومهم
وجلدة بین العین والانف سالم

سالم کی محبت میں مجھے لوگ ملامت کرتے ہیں اور میں انہیں ملامت کرتا ہوں حالانکہ سالم میرے لیے بمنزلہ آنکھ اور ناک کی درمیانی جلد کے ہیں ؎ علم و فضل میں آپ کی ثقاہت، عدالت اور کمال کی وجہ سے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ فرمایا کرتے تھے۔

اصح الاسانید الزهری عن سالم عن ابیه۔ یعنی علی الاطلاق تمام سندوں میں سب سے زیادہ صحیح سند زہری عن سالم عن ابیہ ہے۔

مسندِ تدریس

کتاب و سنت اور ان سے مستنبط شدہ فقہ میں تبحر اور کمال حاصل کرنے کے بعد تعلیم و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسجد نبوی میں ان کا درس دینا شروع کیا۔ عمر بھر اسی شغل میں مصروف رہے اور دور و نزدیک کے ہزارہا تشنگانِ علم کو اپنے فیوضِ دینیہ سے شاد کام کیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہ، اور حضرت قاسم بن محمد مسجد نبوی میں ایک ہی حلقۂ درس میں بیٹھ کر تعلیم دیتے تھے۔ پھر ان دونوں کے بعد عبیداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن قاسم نے اس کو زینت بخشی۔ پھر اسی جگہ امام مالکؒ نے عمر بھر درسِ حدیث دیا۔ یہ جگہ منبر اور روضہ مقدسہ کے درمیان فاروق اعظم رضؓ کے گھر کے دروازہ کے پاس تھی ؎

اتباعِ سنت

اپنے والد حضرت عبداللہ کی طرح سنت کے بڑے پابند تھے۔ نہ صرف پابند بلکہ اس کے پرجوش مبلغ بھی تھے۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جابر بادشاہ کو بڑی بے باکی اور جرأت

؎ تاریخ ابن عساکر ص ۵۱ ج ۶ ؎ تہذیب التہذیب ص ۴۳۷ ج ۳ ؎ طبقات ابن سعد ص ۱۴۱ ج ۵

سے اتباعِ سنّت کی دعوت دیتے تھے۔ اور اس کے جور و جفا اور سفاکی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو حکم دیا کہ وہ افعالِ حج میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اقتدا کرے۔ اور اپنی مرضی اور خواہش سے کام نہ لے۔ عرفہ کے دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ سورج ڈھلتے ہی حجاج کے پاس آئے اور کہا چلئے! وقت ہوگیا ہے کہنے لگا ابھی؟ آپ نے فرمایا ہاں ابھی جانا ہے۔ بولا چند منٹ صبر کیجئے۔ میں نہا کر حاضر ہوتا ہوں۔ حضرت سالم فرماتے ہیں جب وہ نہا کر آیا تو میرے اور میرے والد کے درمیان چلنے لگا۔ میں نے کہا اگر سنّت پر عمل کرنا ہے تو خطبہ میں اختصار اور وقوفِ عرفہ میں تعجیل سے کام لیجئے یہ سن کر اس نے حضرت عبداللہ کی طرف دیکھا آپ نے فرمایا۔ سالم ٹھیک کہتے ہیں۔ یہی سنّت ہے [۱۳]

ایک دفعہ حجاج نے آپ کے ہاتھ میں تلوار دیتے ہوئے کسی آدمی کے قتل کا حکم دیا۔ آپ نے اس سے پوچھا تم مسلمان ہو؟ بولا ہوں تو مسلمان مگر آپ حکم بجالائیے۔ فرمایا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟ کہنے لگا جی ہاں پڑھی ہے۔ یہ سن کر آپ نے تلوار حجاج کے سامنے پھینک دی اور کہا اس کا بیان ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے صبح کی نماز بھی پڑھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص صبح کی نماز پڑھ لے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ (میں اُسے کیسے قتل کر سکتا ہوں) حجاج نے کہا ہم اسے صبح کی نماز کی وجہ سے قتل نہیں کرتے۔ بلکہ امیر المومنین حضرت عثمان رضؓ کے قتل میں اعانت کے جرم میں قتل کرتے ہیں۔ فرمایا مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت عثمان رضؓ کے مجھ سے زیادہ قریبی رشتہ دار یہاں موجود ہیں، ان سے کہئے آپ کے والد حضرت عبداللہ کو اطلاع ملی تو پوچھا کہ سالم نے کیا کیا؟ لوگوں نے تمام ماجرا سنایا فرمایا عقلمند ہے، عقلمند ہے [۱۴]

ایک دفعہ آپ کے پاس پینے کے لیے پانی ایسے پیالہ میں لایا گیا جس میں چاندی لگی ہوئی تھی۔ پانی پینے لگے تو چاندی کے ٹکڑے پر نظر پڑی فوراً پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور اس میں پانی پینے سے انکار کر دیا۔ کسی نے نافع سے پوچھا آپ نے اس پیالہ میں پانی کیوں نہیں پیا؟ بولے اس حدیث کی وجہ سے جو انہوں نے چاندی کے برتن

---

[۱۳] صحیح بخاری ص ۲۲۵ ج ۱ [۱۴] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۵۲ ج ۶ و ابن سعد ص ۱۴۵ ج ۵

میں کھانے پینے کے متعلق سنی تھی۔[۱۵]

عبادت

آپ بہت بڑے زاہد اور شب زندہ دار عابد تھے۔ تعلیمی مصروفیات اور دنیاوی کاروبار سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و فکر، دعا و مناجات اور نماز و عبادت سے آپ کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ دلچسپی اور رغبت تھی۔ اس معاملہ میں آپ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نقشِ قدم پر گامزن تھے اور اپنے ہمعصروں سے اتنے آگے نکل گئے تھے کہ آپ کا طرزِ عمل بجا طور پر آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ اور واجب الاتباع تھا۔

ابن العماد حنبلیؒ لکھتے ہیں:

سالم بن عبداللہ المدنی الفقیہ العابد الزاهد القدوۃ[۱۶]

یعنی سالم بن عبداللہ مدینہ کے رہنے والے فقیہ ہیں اور زہد و عبادت میں لوگوں کے مقتدا اور پیشوا ہیں۔

امام ابوالزناد زین العابدین، قاسم بن محمد آپ کے متعلق فرماتے ہیں:

فاقوا اهل المدینة علما وتقی وعبادة وورعا۔

یعنی یہ تینوں بزرگ علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، اور عبادت و تورع میں سب اہلِ مدینہ پر گوئے سبقت لے گئے تھے۔

محمد بن ابی سارہ کہتے ہیں۔ میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ آئے عشاء کی نماز کے بعد باب بنی سہم کے قریب نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ساری رات اسی عمل میں گزر گئی جب صبحِ صادق نمودار ہوئی اور نوافل کا وقت جاتا رہا تو اپنے کپڑے سے کمر و زانو لپیٹ کر بیٹھ گئے اور ذکر و فکر میں لگ گئے۔[۱۷]

عبادت میں آپ کے اسی ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے حضرت عبداللہؓ نے انہیں چھوڑ کر اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا:

---

[۱۵] تاریخ ابن عساکر ص ۵۲ ج ۶ [۱۶] شذرات الذهب ص ۱۳۳ ج ۱ [۱۷] صفۃ الصفوۃ ص ۵۱ ج ۱

ماكنت لأدنس سالما بالوصية و اشغله عما هو فيه من العبادة ۔ | یعنی میں سالم کو وصیت کے دھندوں میں پھنسا کر اس کے محبوب ترین شغل عبادت میں مخل نہیں ہونا چاہتا۔[۱۸]

حج

آپ کو حج کی عبادت سے بے حد لگاؤ تھا۔ اپنے والد کی معیت میں کئی حج کیے۔ پھر ان کے بعد آخر زندگی تک اس پر عامل رہے۔ استقف کہتے ہیں۔ میں حضرت سالم کے ساتھ حج کرنے ہر سال مکہ جاتا تھا۔ آپ یہ مبارک سفر ایک عمدہ اور فربہ اونٹنی پر کیا کرتے تھے۔ راستہ میں ہر منزل پر ایک بکری خریدتے اور اپنے ہمراہیوں کو کھلاتے تھے۔ حج سے واپس آکر اپنی اونٹنی ذبح کر دیتے اور اس کا گوشت مسجد نبویؐ میں علم حاصل کرنے والے طلباء میں تقسیم کر دیتے تھے[۱۹]

حج سے آپ کی دل بستگی اور شیفتگی کا یہ حال تھا کہ اکثر فرمایا کرتے تھے ۔

لو لو اجد للحج الا حمارا ابتر لحججت عليه | یعنی اگر مجھے حج کے لیے دُم کٹے گدھے کے سوا کوئی دوسری سواری میسر نہ آئے تو میں اسی پر سوار ہو کر حج کے لیے جاؤں۔[۲۰]

اگر آپ کا عطیہ ضروریات سے بچ رہتا تو اس پر یہ الفاظ لکھ کر محفوظ رکھتے یہ مال ان شاء اللہ حج یا عمرہ کے لیے ہے۔

زہد و قناعت

شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوصف آپ دنیا، دنیا کے مال و متاع اور اس کے لذائذ اور مستحسنات سے بے نیاز اور کنارہ کش تھے۔ تواضع اور خشیتِ الٰہی آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قانع اور صابر ایسے کہ اونچے اور پر شکوہ گھرانوں میں آپ کی نظیر نہیں ملتی تھی۔

حافظ ابو نعیم نے مختصر الفاظ میں آپ کی زندگی کا بڑا عمدہ اور نفیس نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں؛

---

۱۸ تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۵۲ ج ۶ ۱۹ تاریخ ابن عساکر ص ۵۴ ج ۶ ۲۰ تاریخ ابن عساکر

ومنهم الفقيه المتخشع الزاهد ابو عمر سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب کان للہ خاشعا وفی نفسه خاضعا وبما یدفع به وقته قانعا[۲۱]

یعنی اولیاء اللہ میں ایک بہت بڑے عالم، خشوع و خضوع کے عادی اور اپنے رب سے بے حد ڈرنے والے سالم بن عبد اللہ ہیں آپ اللہ رب العالمین کے مطیع و منقاد، طبیعت کے متواضع اور منکسر المزاج زندگی کے ایام پورے کرنے کے لیے تنگی و ترشی پر قناعت کرنے والے تھے۔

خلفاء کی پیش کش کے باوجود آپ ہمیشہ ان سے بے نیاز رہے۔ مالی یا کسی اور طرح کا مفاد حاصل کر کے کبھی احسان مند نہیں ہوئے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک خانہ کعبہ میں داخل ہوا دیکھا تو حضرت سالم پہلے ہی موجود تھے ان سے کہنے لگا اگر کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔ میں پوری کیے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے دستِ سوال دراز کرتے سے شرم آتی ہے۔ آپ باہر نکلے تو ہشام بھی آپ کے پیچھے باہر آگیا اور کہنے لگا۔ اب تو آپ اللہ تعالےٰ کے گھر سے باہر نکل آئے ہیں۔ اب مجھ سے کوئی حاجت طلب کیجئے آپ نے فرمایا، دنیا کی حاجت طلب کروں یا آخرت کی؟ بولا دنیا کی، آپ نے جواب دیا۔ واللہ! میں نے دنیا اُس سے نہیں مانگی جو دنیا کا مالک ہے تو اس سے کیا طلب کروں جس کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔[۲۲] اللہ! اللہ! کیا شانِ بے نیازی ہے جو فاروقی جلالت و تمکنت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

امام مالکؒ نے کچھ بے جا نہیں فرمایا کہ سالم کے زمانہ میں زہد، میانہ روی، اور بے تکلف و باعزت زندگی بسر کرنے میں ان سے بڑھ کر سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے والا کوئی نہیں تھا میمون بن مہران کہتے ہیں۔ میں حضرت عبد اللہ کے گھر داخل ہوا۔ میرے خیال میں ان کے گھر کا اثاثہ ۲۵ روپے کی مالیت کا بھی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر داخل ہونے کا اتفاق ہوا تو ان کی کل متاع کو ایک طیلسان (ایک طرح کی سبز چادر جسے مشائخ استعمال کرتے تھے) کی قیمت کے برابر بھی نہیں پایا۔ ان کے بعد سالم پر داخل ہوا تو ان کا بھی یہی حال دیکھا[۲۳]

---

[۲۱] حلیۃ الاولیاء ص ۱۹۳ ج ۲ [۲۲] ابن عساکر ص ۵۴ ج ۶ [۲۳] ابن عساکر ص ۵۱ جلد ۶

جود و سخا

علی بن زید کا بیان ہے کہ جب تک آپ کے دستر خوان پر کوئی مسکین نہیں بیٹھتا تھا۔ آپ کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ ایک دن اتفاقاً کوئی مسکین نہ آیا تو آپ نے خادم کو بھیجا کہ کسی مسکین کو بلا لائے۔ وہ ایک اندھی اور کبڑی بڑھیا کو لے آیا۔ اور آپ کے پاس بٹھا دیا۔ آپ نے اسی بڑھیا کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ ۲۴ھ

جب آپ کو بیت المال سے عطیہ ملتا تو پہلے اس سے قرض ادا کرتے۔ پھر اگر کسی عزیز سے صلہ رحمی کرنا چاہتے تو اس سے صلہ رحمی کرتے۔ اس کے بعد کچھ حصہ صدقہ و خیرات میں بانٹ دیتے۔ اور کچھ اہل و عیال کے خرچ کے لیے رکھ لیتے باقی پر کھ دیتے یہ حج یا عمرہ کے لیے ہے۔ ان شاء اللہ ۲۵ھ

ذریعہ معاش

آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ کھیتی باڑی بھی کرتے تھے۔ جس سے معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ اور آپ کو دوسروں کے تحائف اور نذرانوں سے بے نیاز کر دیتی تھی۔

محنت و جفاکشی

دوسروں پر اعتماد کرنے کے بجائے آپ اپنے کام بنفسِ نفیس کیا کرتے تھے۔ آٹا پیسنے کے لیے چکی خود درست کرتے تھے۔ اونٹوں کے زخم دھو کر مرہم پٹی کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنی ضروریات بازار سے خود خریدتے اور خود ہی اٹھا کر گھر پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ چادریں خریدیں۔ اور گٹھڑی میں باندھ کر مسجد میں عبد الملک بن عمر کے پاس رکھ دیں۔ کچھ دیر پڑی رہنے کے بعد اس نے کہا کسی کو بھیجئے کہ یہ گٹھڑی اٹھا کر گھر لے جائے۔ فرمایا کسی کو بھیجنے کی حاجت نہیں میں خود اٹھا کر لے جاؤں گا۔

مصر کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے تو بعض مسائل کے حل کے لیے آپ کے دروازہ پر حاضر ہوئے۔ اندر سے اونٹ کے بلبلانے کی آواز آرہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سیاہ رنگ قوی ہیکل آدمی باہر آیا۔ جس نے سینہ تک اونی چادر باندھی ہوئی تھی، مصریوں

۲۴ھ ابن عساکر ص   ۲۵ھ حوالہ مذکورہ

نے اسے غلام سمجھا اور پوچھا تمہارے آقا اندر ہیں؟

وہ شخص بولا آپ لوگ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے سالم سے، فرمایا! وہ تو میں ہی ہوں، کہیئے! کیسے آنا ہوا؟ بولے ہم آپ سے کچھ مسائل دریافت کرنے آئے ہیں۔ فرمایا پوچھیئے! میں حاضر ہوں۔ یہ کہا اور اسی طرح اونٹ کے خون سے آلودہ ہاتھ سمیت بیٹھ گئے اور ان کے سوالات کا جواب دینے لگے [۲۶]

خوراک ولباس

آپ سادہ اور معمولی غذا استعمال کرتے تھے۔ ناز و نعم کی زندگی سے طبیعت متنفر تھی۔ لباس بھی معمولی اور کم قیمت پہنتے تھے۔ ہر کپڑا زیادہ سے زیادہ دو درہم (آٹھ آنے) کا ہوتا تھا مگر اس قدر متقشفانہ زندگی اور راہبانہ خوراک ولباس کے باوجود صحت قابلِ رشک تھی جسے دیکھ کر ناز و نعم میں پلنے والے امراء و سلاطین بھی حیران ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک سے ملنے گئے۔ تو وہ آپ کو تنومند اور مضبوط دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگا۔ آپ کیا کھاتے ہیں؟ فرمایا روٹی اور زیتون کا تیل۔ جب گوشت مل جاتا ہے تو وہ بھی کھا لیتا ہوں۔ سلیمان کہنے لگا۔ تعجب ہے کہ آپ زیتون کے تیل کے ساتھ روٹی کیسے کھا لیتے ہیں؟ اور آپ کی طبیعت اسے کس طرح چاہتی ہے؟ فرمایا میں اسے پڑی رہنے دیتا ہوں جب خوب بھوک لگتی ہے۔ اور طبیعت کھانے پر آمادہ ہو جاتی ہے تو کھا لیتا ہوں [۲۷]

حلیہ اور اوضاع و اطوار

آپ قوی ہیکل اور سیاہ فام تھے۔ جسم بھاری اور پیٹ بڑا تھا۔ بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ جس میں سالم بن عبداللہ کے الفاظ کندہ تھے۔ مونچھیں خوبصورت طریقہ سے کٹواتے تھے اور زیادہ مبالغہ سے کام نہیں لیتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال عموماً سفید رہنے دیتے تھے۔ کبھی کبھی زرد رنگ بھی کر لیتے تھے۔ گرمی اور سردی میں زیادہ تر قمیص کے بٹن کھلے رہتے تھے۔

---

[۲۶] ابن عساکر ص ۱۱ ج ۶ [۲۷] ایضاً ص ۵۰ ج ۶

ملوک و سلاطین کے ہاں قدر و منزلت

آپ کو بارہا خلفاء کے درباروں میں جانے کا موقعہ ملا ہے۔ مگر آپ نے ہمیشہ اپنی شانِ بے نیازی کو قائم رکھا۔ کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔ جو عزتِ نفس خودداری اور آپ کے علمی مرتبہ و مقام کے خلاف ہو۔ سادگی اور بے تکلفی کی جو عادت شروع سے پڑ گئی تھی۔ اسے شاہی درباروں میں بھی ترک نہیں کیا۔ اور نہ ہی کبھی شاہانہ تکلفات کو اپنانے کی ضرورت سمجھی۔ خلفاء بھی آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے شایانِ شان سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔

پہلے پہل آپ عبدالملک بن مروان کے پاس اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیعت نامہ لے کر اس وقت گئے جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد اس کی بیعت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ولید، سلیمان، ہشام ابنائے عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے درباروں میں بھی جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ ہمیشہ آپ کی باعزت پذیرائی ہوئی۔ اور بہت کچھ احترام کا سلوک کیا گیا۔ ایک دفعہ آپ حسبِ عادت کھدر کے موٹے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں گئے۔ خلیفہ نے آپ کو دیکھتے ہی مرحبا مرحبا اور خوش آمدید کہا۔ اور نہایت ادب اور احترام کے ساتھ اپنے پاس تخت پر بٹھایا۔ اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی وہاں موجود تھے۔ انہیں پچھلی صف سے ایک شخص نے (جو امیرانہ زرق برق اور قیمتی لباس میں ملبوس تھا) طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ آپ کے ماموں کو اس سے اچھا لباس دستیاب نہیں ہو سکا جسے پہن کر وہ امیرالمومنین کے دربار میں حاضر ہوتے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بے ساختہ جواب دیا! میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے ماموں کے بوسیدہ کپڑوں نے انہیں تمہارے مقام سے فروتر نہیں رکھا۔ اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے زرق و برق اور قیمتی لباس نے تمہیں ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچایا۔

قاضی معافی نے فرمایا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بہت اچھا جواب دیا۔ اور اپنے ماموں کی طرف سے خوب مدافعت کی۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

قد یدرک الشرف الفتی و ردائہ

خلق وجیب قمیصہ مرقوع

اولاد

آپ صاحبِ اولاد تھے۔ آپ کے ہاں مختلف بیویوں سے عمر، ابو بکر، عبداللہ، عاصم، جعفر، عبدالعزیز اور عبدہ سات لڑکے پیدا ہوئے۔ حفصہ اور فاطمہ دو لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں سے ابو بکر آپ کے شاگرد ہیں۔

تلامذہ

آپ سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا، اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچ کر کتاب و سنت کی روشنی پھیلانے کا سبب بنے۔

مندرجہ ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا صاحبزادہ ابو بکر۔ امام ابن شہاب زہری رح، ابو بکر بن محمد بن حزم، صالح بن کیسان، حنظلہ بن ابی سفیان۔ عاصم بن عبیداللہ۔ ابو قلابہ جرمی، حمید طویل، عمر بن واسع اور دوسرے تابعین اور تبع تابعین کے ایک جم غفیر نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کی۔

رحمہم اللہ تعالیٰ و ایانا اجمعین

وفات

آپ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ کہ عرفہ کے دن مقام عرفات میں بیمار ہوئے اور بیماری کی حالت میں ہی مدینہ شریف لے آئے۔ مگر صحت یاب نہ ہو سکے۔ چند روز کے بعد سنہ ۱۰۶ھ میں ہشام بن عبدالملک اموی کے عہدِ حکومت میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

جنازہ کی نماز ہشام بن عبدالملک نے پڑھائی لوگ اس جنازہ میں اس قدر شریک ہوئے کہ ہشام ان کی کثرت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اور حاکمِ شہر کو حکم دیا کہ جنگ کے لیے

چار ہزار جوان بھرتی کیے جائیں۔ اس لیے تاریخ میں یہ سال سنتہ اربعۃ الاف کے نام سے مشہور ہوا۔

نفعنا اللہ تعالیٰ برحمتہ الکاملۃ۔ آمین

✡✡✡✡✡✡

دار نشر الكتب الاسلامية